بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جلد نمبر ۳۲ | ۱۰ رمئی ۱۹۹۵ء مطابق ۹ رذی الحجہ ۱۴۱۵ھ | شمارہ نمبر ۱۳

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا محمود الازہر ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد [illegible] ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی
[illegible]

زرتعاون

سالانہ	۱۰۰ روپے
فی شمارہ	۵ روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک	
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک	۲۵ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک	
بحری ڈاک جملہ	۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے —— مینجر

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳، ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یو-پی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔ اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہ حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی

ترجمہ: بلال عبد الحی ندوی

(۷)

انکار حدیث کے نئے محرکات و عوامل

مغربی نومسلم فاضل محمد اسد (LEOPOLD WEISS) نے سنت سے دامن چھڑانے اور حدیث کا انکار کرنے کا حقیقی سبب (جس کے داعی اس دور میں پھر اس کا بیڑا اٹھا رہے ہیں) نئی نسل کی نفسیات اور مغربی تہذیب کے غلبہ اور طاقت سے مکمل واقفیت کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ مغربی تہذیب کی قدروں اور پیمانوں، اور اس کے طرز زندگی اور فیشن اور سنت نبوی میں کبھی گٹھ جوڑ نہیں ہو سکتا، اور اس زندگی کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد اور سنت کے مراجع اور ماخذ پر پورے یقین اور اطمینان پر مبنی ہو، مغربی تہذیب کی تعظیم و تقدیس اور اس کو علم انسانی کی آخری دریافت سمجھنے کے تصور کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا، غالباً بعض اسلامی ممالک کے حکام اور سیاسی لیڈران کے سنت پر حملہ اور انکار حدیث کا یہی سبب ہے، محمد اسد لکھتے ہیں:

آج جب کہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کا اثر و نفوذ بہت بڑھ چکا ہے، ہم ان لوگوں کے تعجب انگیز رویہ میں جن کو روشن خیال مسلمان کہا جاتا ہے، ایک اور سبب پاتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا اور زندگی میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنا ناممکن ہے، پھر موجودہ مسلمان نسل اس کے لئے تیار ہے کہ ہر مغربی چیز کو عزت کی نگاہ سے دیکھے، اور باہر سے آنے والے ہر تمدن کی اس لئے پرستش کرے کہ وہ باہر سے آیا ہے، اور طاقتور اور چمکدار ہے، مادی اعتبار سے یا فرنگ پرستی ہی اس واقعہ کا سب سے بڑا سبب ہے، کہ آج احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت کا پورا نظام رواج نہیں پا رہا ہے، سنت نبوی ان تمام سیاسی افکار کی کھلی اور سخت تردید کرتی ہے جن پر مغربی تمدن کی عمارت کھڑی ہے، اس لئے وہ لوگ جن کی نگاہوں کو مغربی تہذیب و تمدن خیرہ کر چکا ہے، وہ اس شکل سے اپنے کو اس طرح نکالتے ہیں کہ حدیث و سنت کا بالکلیہ یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ سنت نبوی کا اتباع مسلمانوں پر ضروری نہیں کیونکہ اس کی بنیاد ان احادیث پر ہے جو قابل اعتبار نہیں ہیں، اور اس مختصر عدالتی فیصلہ کے بعد قرآن کریم کی تعلیمات کی تحریف کرنا اور مغربی تہذیب و تمدن کی روح سے انھیں ہم آہنگ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ؎

جو لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امت اسلامیہ کو اس حیات بخش اور ہدایت و قوت عطا کرنے والے صاف و شفاف سرچشمہ سے (حدیث کے حجت ہونے اور اس کی قدر و منزلت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے ذریعہ) محروم کر دیں اور اس پر سے امت کا اعتماد اٹھ جائے وہ اس عظیم نقصان سے شاید ناواقف ہیں جو اس امت کو پہنچا رہے ہیں وہ شاید نہیں جانتے کہ اپنی اس نامحمود کوشش سے وہ اس امت کو اپنی میراث سے محروم، اپنے آغاز سے بے تعلق، اپنی اصل سے برگشتہ و حیران بنا رہے ہیں اور وہ معاملہ کر رہے ہیں جو یہودیت و مسیحیت کے دشمنوں نے، یا انقلاب زمانہ نے ان مذاہب کے ساتھ کیا، اگر وہ باہوش و حواس یہ کام انجام دے رہے ہیں تو اس امت اور اس دین کا ان سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں، کیوں کہ اس کے بعد نئے سرے سے پھر اس دینی ذوق کو وجود بخشنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا، وہ ذوق جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیاز تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براہ راست صحبت، یا اس حدیث پاک کے واسطے کے بغیر جو اس عہد کی سچی تصویر، اس عہد کی کیفیات سے مملو اور اس کی عطر بیزیوں سے معطر ہے) پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

فاضل مصنف محمد اسد نے اپنی کتاب میں جس کا عنوان ہے "اسلام دوراہے پر" اسلام دشمنی کے حقیقی اسباب اور اس سازش کی خطرناکی جو مسلم معاشرہ کو اس بے بدل قوت سے محروم اور اس بے نظیر خزانہ سے خالی کر دینا چاہتی ہے، بڑی اچھی تشخیص کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"سنت نبوی ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے جس طرح کاغذ کا گھروندا۔" ؎

انکار حدیث کا اثر اتباع سنت کی ضرورت اور اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن یہ اعلیٰ مقام جو اسلام کو اس حیثیت سے حاصل ہے کہ وہ ایک اخلاقی، عملی، انفرادی اور اجتماعی نظام ہے،

باقی صفحہ ۳۰ پر

اس شمارے میں

١	مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی	٢
٢	آزادی گفتار کے پردے میں (اداریہ)	ع - ع - ن	٥
٣	انسانی شرافت وعظمت کا اعلان	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی	٧
٤	یورپ خودکشی کی راہ پر	مولانا سید واضح رشید ندوی	١٠
٥	ہندوستان میں دعوتی کام کا اسلوب	پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی	١٢
٦	تحقیر نہیں	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ	١٥
٧	شاہی و درویشی	ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی	١٦
٨	مسلم بچوں کی تعلیم	ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی	١٨
٩	مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں	مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ	٢١
١٠	ندوۃ العلماء - ایک تاثر	ڈاکٹر صغیر نسیم	٢٣
١١	تاریخ دعوت و عزیمت [illegible] دوم	پروفیسر وصی احمد صدیقی	٢٥
١٢	سوال وجواب	محمد طارق ندوی	٢٨
١٣	مسلم پرسنل لاء کا بارہواں جلاس	(رپورٹ)	٢٩
١٤	عالمی خبریں	معید اشرف ندوی	٣١

شرائط ایجنسی

١- پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
٢- فی کاپی ١٠/- روپے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
٣- کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

١- تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.25/-
٢- کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
٣- اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH - K.S.A.

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI - (U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 - U.S.A.

اداریہ

ع - ع - ن

آزادی گفتار کے پردے میں

دنیا میں صرف ایک اسلام ہی تو مذہب نہیں ہے، بدھ، کنفوش، چینی، آریائی، آتش پرست، عیسائیت، موسویت (یہودیت) اور پھران سب کے اقسام وفروع، دس بیس ہوں توان کو شمار کیا جائے، صرف ہندوستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں اتنے مذہب ہیں اور اتنی زبانیں بولی جاتی ہیں کہ گویا یہ ملک اُلسنہ وادیان کا ایک جنگل ہے۔

لیکن کسی مذہب کو اپنے وجود و تشخص کو باقی رکھنے کے لئے کوئی قیمت ادا کرنا پڑی ہے؟ اس کے ماننے والے کو محض عقیدہ کی بنا پر جسمانی ایذا، ذہنی وقلبی اذیت پہونچائی گئی ہے؟ ایسے لوگوں کی بستیاں جلاکر خاک سیاہ کی گئی ہیں جن کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ خدائے واحد کے عبادت گذار اور عبادت کا راستہ دکھانے والے کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں، اس عقیدہ کی بناء پر ان سے جنگیں لڑی گئی ہیں؟ ان کے خون سے دریاؤں کے رنگ بدلے گئے ہیں؟ ان کی مقدس کتاب کو نعوذ لاطائل ثابت کرنے کے لئے کوئی اکیڈمی بھی قائم ہوئی ہے؟ یا کوئی رسالہ ماہوار یا سہ ماہی نکالا گیا ہے، کوئی کتاب ریسرچ اور تحقیق کے نام پر شائع کی گئی ہے جس کا مقصد ان کی مقدس کتاب یا "اوتار" کو باطل قرار دینا ہو؟

لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے درپے پورا یورپ ہے اور وہ بھی آج سے نہیں صدیوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے قرآن کے ترجمے کے نام پر کبھی تلخیص کے نام پر، کبھی تحقیق وانکشاف کے نام پر سیکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور کوئی نسل ایسی نہیں جس نے مسیحیت کی بقا اسی میں مضمر نہ سمجھی ہو کہ اسلام کے خلاف عام انسانوں کے جذبات وافکار ابھارے جائیں، کوئی قرآن پر اپنے آپ کو اتھارٹی بتاتا ہے، کوئی سیرت نبوی کا ماہر بتایا جاتا ہے، کوئی احادیث نبویہ کو اپنا موضوع بناتا ہے اور سلسلہ ختم ہونے پر نہیں آتا، اڈنبرہ یونیورسٹی میں ایک خاص اسکالرشپ قرآن پر کام کرنے والوں کو نصف صدی سے دیا جاتا ہے، بشرطیکہ اس کی تحقیق کی ابتدا اس مفروضے ہو کہ "قرآن پیغمبر اسلام کی تصنیف ہے"۔ یہ کام صرف علمی سطح پر نہیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی جاری ہے۔

کبھی آپ نے سنا ہے کہ کوئی فرد اپنے مذہب سے مرتد ہوکر، اس کی بدگوئی وبدزبانی کا ارتکاب کرے تو عصر حاضر کی بڑی حکومتیں اس کے لئے اپنی آغوش شفقت وا کردیں، اس کو سروں پر بٹھائیں، اس کو بڑے بڑے ایوارڈ دیں، اس کی حفاظت پر اتنا خرچ کریں جتنا خود اپنے ملک کے وزیر اعظم کی سیکورٹی پر خرچ نہ کرتے ہوں۔

ان کی قدر دانیوں کو دیکھ کر ہمیں احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں ایک کتے پر ترس آتا ہے، اس احاطہ میں رہنے والے سب جانتے ہیں کہ جب اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو یہ بھونکنے اور رونے لگتا ہے، ادھر اللہ اکبر کی آواز آئی ادھر اس کے دل پر چوٹ پڑی۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ کی آواز اس سے برداشت نہیں ہوتی، کئی بار اس کو چوکیداروں اور لڑکوں نے مار بھگایا مگر پھر کسی نہ کسی طرح آجاتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اگر اہل یورپ یہ سن لیں تو اس کو چارٹر ہوائی جہاز پر بٹھا کرلے جائیں۔ سویڈن کی حکومت تو زمرد کا گلوبند اور سونے کی زنجیر اس کی گردن میں ڈالے، برطانیہ اس کو سب سے بڑا قومی اعزاز دے، فرانس میں اس کے استقبال کے لئے عجائب خانے کے تمام نسلوں کے سگان ہنرمند جمع کرائے جائیں، اس کے حق خود ارادیت یا رونے اور بھونکنے کی آزادی کا حق بین الاقوامی سطح پر تسلیم کرایا جائے، اور اس کی وہ آؤ بھگت ہو کہ ہماری گلیوں کے دوسرے کتوں کی بھی رال ٹپکنے لگے۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ کمیونزم کا ستر سالہ ڈرامہ جب ختم ہوا اور وسط یورپ کے ممالک آزاد ہوئے تو جن ممالک میں عیسائی ویہودی تھے وہاں کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی، انتقال حکومت کہیں آسانی سے کسی معمولی آویزش کے بغیر تسلیم کرلیا گیا، مگر آذربائجان، بلقان کے ممالک بوسنیا ہرسک، چیچان

میں وہی ہو رہا ہے جو بقول چرچل کے "ہماری جنگ ایک ایک درخت کے ایک ایک پتے پر جاری رہے گی۔ لاکھوں انسانی جانیں صرف اس جرم میں پامال کی گئیں کہ یہ وہ ممالک ہیں جن کے باشندے کبھی مسلمان تھے، موجودہ نسل کے دادا اور پردادا کا مذہب تھا، اور جہاں تک بوسنیا اور ہرسک کا تعلق ہے ان میں سے ۹۹ فیصد وہ لوگ ہیں جن کو معلوم بھی نہیں تھا، معلوم کرایا گیا کہ ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے؟ ایسے سادہ اور دین سے ناواقف لوگوں سے خطرہ کیا تھا؟

کیا اس کے علاوہ بھی کوئی خوف ہے جس کو ہمیشہ تازہ و زندہ رہنے والی "الکتاب" میں بتا دیا گیا تھا:۔

"وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ"

ان لوگوں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے۔

مگر اہل یورپ کی منزل اس سے بھی بدتر ہے وہ ان لوگوں میں یہ عیب پاتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے اور ان کے خوف و دہشت کا محور صرف یہ ہے کہ

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

مذہبی رواداری کی قابلِ تقلید مثال

ارجنٹینی صدر کے نومسلم فرزند کی پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ اسلامی طریقہ کے مطابق تجہیز و تدفین

انگلش عربی بین الاقوامی کثیر الاشاعت ہفت روزہ مسلم ورلڈ (العالم الاسلامی) کے تازہ شمارہ کے پہلے صفحہ پر یہ خبر چھپی ہے کہ ارجنٹینا کے صدر کے بڑے صاحبزادے کارلاس منعم جنہوں نے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا کا ہیلی کاپٹر کے ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین کے بعد بوینس ایرس میں مسلمانوں کے قبرستان میں اسلامی طریقہ کے مطابق انھیں دفن کیا گیا۔

ارجنٹینا کی تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ تجہیز و تدفین کی اسلامی رسم کی اس سطح سے اور اس اعزاز کے ساتھ ادائیگی عمل میں آئی ہے۔ اس موقع پر حکومت کے تمام اہلکار، وزراء، فوج اور پولیس کے عہدیداران، ممبران پارلیمنٹ اور حکومت کے نمائندے موجود تھے۔ قصر جمہوریت نے پہلی مرتبہ ایک سرکاری بیان جاری کیا جس میں کہا گیا ہے کہ جنازہ قصر جمہوریت سے پہلے اسلامک سینٹر لیجایا جائیگا۔ اور پھر وہاں سے مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے گا اس بیان کو ملک کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اہمیت کے ساتھ نشر کیا۔ اسی طرح پہلی مرتبہ صدارتی محل سرکاری سوگ کے دنوں میں قرآن کی تلاوت سے گونجتا رہا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ (آمین)

عربی سے ترجمہ: آفتاب عالم ندوی

مولانا نجم الدین شکیب ندوی کا حادثۂ وفات

نجم الدین ندوی شکیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھیوں میں تھے، فراغت کے بعد کچھ دنوں تک دارالعلوم میں مدرس رہے، اس عرصہ میں حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی زیر نگرانی برادران وطن کو اسلامی تعلیمات سے متعارف کرانے کا کام بڑے سلیقہ کے ساتھ انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے خطابت و تحریر دونوں کی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور مرحوم نے ان سے خوب کام لیا، بعد میں ایک ج میں درس و تدریس کے کام پر مامور ہوئے وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد ندوہ سے ایک عرصہ تک متعلق رہے کئی سال تک معہد دارالعلوم کے ناظر بھی رہے اور بڑی خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داری کو نباہا۔ وہ کتب خانہ دارالعلوم میں نائب ناظر بھی رہے یہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن تھلینڈی میں ایک اسکول چلانا شروع کیا جس میں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ میں دینی ذوق و رجحان اور عقیدہ کی پختگی کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ مرحوم نے یہ کام ایسے وقت شروع کیا جب ان کی صحت تیزی کے ساتھ گرتی جا رہی تھی لہٰذا اس کام کو زیادہ دنوں تک نبھا نہ سکے ادھر کئی سال سے صاحب فراش تھے، نہایت ضعف و کمزوری کے باوجود اپنے رفیق درس حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ جن سے مرحوم کو عقیدت کا تعلق تھا ملنے آیا کرتے تھے عرصہ سے لکھنؤ ہی میں مقیم تھے، وصیت تھی کہ نماز جنازہ حضرت مولانا پڑھائیں مگر تقدیری بات مولانا مدظلہ اعظم گڈھ دارالمصنفین کے جلسہ میں تشریف لے گئے تھے چند گھنٹوں کا فرق ہوا اور ان کی وصیت پوری نہ ہو سکی نماز ظہر کے بعد ندوہ کے علماء، طلباء اور اہل تعلق کے تقریباً ڈھائی ہزار مجمع نے نماز جنازہ ادا کی، ندوہ کے گیٹ تک طلباء و اساتذہ نے جنازہ کو کاندھا دیا وہاں سے بس کے ذریعہ جنازہ آبائی وطن تھلینڈی لے جایا گیا۔ جہاں اہل وطن نے دوسری نماز جنازہ پڑھی اور تدفین عمل میں آئی، مرحوم مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی مرحوم کے اعزہ میں تھے، پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ [illegible] کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ٭ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے ـــ واضح رہے کہ مولانا [illegible] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انسانی شرافت و عظمت کا اعلان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام کا نوع بشری پر ایک بڑا احسان، انسان کی شرافت و عظمت اور اس کے علوئے منزلت کا اعلان ہے، بعثتِ محمدی سے پہلے انسان ذلت و نکبت کی پستی میں گر چکا تھا۔ اور روئے زمین پر اس سے زیادہ ذلیل و حقیر چیز نہیں رہ گئی تھی، بعض مقدس حیوان اور اشجار جن سے اساطیری (LEGENDARY) روایات اور معتقدات وابستہ تھے وہ اپنے پرستاروں کے نزدیک زیادہ مکرم و محترم تھے۔ اور انسان کے مقابلے میں انھیں حفاظت کا زیادہ مستحق سمجھا جاتا تھا خواہ اس کے لیے معصوم کا خون ہی کیوں نہ بہانا پڑے ایسے شجر و حجر کے آگے انسان کا خون اور گوشت بھی بے تکلف اور ضمیر کی خلش کے بغیر پیش کر دیا جاتا تھا ہم نے اس کی مکروہ تصویریں اس بیسویں صدی میں ہندوستان جیسے بعض ترقی یافتہ ممالک میں بھی دیکھی ہیں۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انسانیت کو اس کی شرافت و عظمت واپس کی اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کیا، اور یہ اعلان کیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے قیمتی وجود اور گراں قدر جوہر ہے اور یہاں اس سے زیادہ باعظمت اور محبت و حفاظت کی مستحق کوئی اور شے نہیں، آپ نے انسان کا درجہ اتنا بلند کیا کہ وہ اللہ کا نائب و خلیفہ قرار پایا جس کے لیے اس نے دنیا پیدا کی اور اسے اپنے لیے پیدا کیا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ (البقرہ ۔ ۲۹)

ترجمہ:۔ وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب

قرآن نے اسے اشرف المخلوقات اور صدر کائنات بتایا!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

ترجمہ:۔ اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ہم نے انھیں خشکی اور دریا دونوں میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی (الاسراء ۔ ۷۰)

اور اس ارشاد نبوی سے زیادہ انسان کی عزت و عظمت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

الخلق عيال الله، فاحب الخلق الى الله من أحسن الى عياله[1]

خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

انسانی رفعت اور اس کی خدمت کے ذریعہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت بلیغ اور معنی خیز ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ قیامت میں پوچھیں گے اے ابن آدم! میں بیمار پڑا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی؟ آدمی کہے گا یا رب! آپ تو رب العالمین تھے، میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔

اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا تو تم نے مجھے کھلایا نہیں؟ آدمی کہیگا کہ بارالٰہا! آپ تو دنیا کے پالن ہار تھے میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے کھانا مانگا مگر تم نے اسے کھانا نہیں دیا، اگر تم اسے کھلاتے تو مجھے.... اس کے پاس پالیتے، اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے مجھے پانی نہیں دیا؟ آدمی کہے گا خدایا! آپ تو رب العالمین ہیں، میں آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے اسے پانی نہیں دیا، اگر تم اسے پانی پلاتے تو مجھے اس کے قریب پاتے"[2]

کیا انسانی رفعت و عظمت کا اس سے زیادہ واضح اور صریح کسی اعلان کا تصور کیا جا سکتا ہے جسے دین توحید نے پیش کیا ہے؟

---

[1] سنن بیہقی، [2] صحیح مسلم۔

اور دنیائے قدیم وجدید کے کسی دین وفلسفہ کے تحت انسان نے کبھی ایسی عظمت ومنزلت حاصل کی ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم زادوں (انسانوں) پر رحم کرنے کو اللہ کی رحمت کے نزول کی شرط لازم بتاتے ہوئے فرمایا:-

الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[1]

رحم کرنے والے پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

وحدتِ انسانیت اور عظمتِ انسانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کے لیے جدوجہد سے پہلے دنیا کی سیاسی واجتماعی حالت کا کچھ اندازہ کرنا ضروری ہے۔

آپؐ کی بعثت سے پہلے ایک ایک فرد کی مرضی پر ہزاروں انسانوں کی زندگیاں موقوف رہتی تھیں، کوئی بادشاہ اٹھتا اور ملکوں اور قوموں اور کھیتوں اور آبادیوں کو پامال کرتا چلا جاتا۔ اور راج ہٹ یا سیاسی تفوق کی خاطر خشک وتر کو تہس نہس کرکے رکھ دیتا۔

سکندر اعظم (ALEXANDER THE GREAT) (۳۵۶-۳۲۴ ق م) آندھی پانی کی طرح اٹھتا ہے اور ایران، شام، ساحلی ممالک، مصر اور ترکستان کا بڑا حصہ زیر وزبر کرتا ہوا شمالی ہند پہونچ جاتا ہے۔ وہ فتح وتسخیر کے اس طویل سفر میں صدیوں کی قدیم اور ترقی یافتہ تہذیبوں اور تمدنوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

جولیس سیزر (JULIUS CAESAR) (۴۴م ق م) اور دوسرے فاتحین اور فوجی قائدین جیسے قرطاجہ (CARTNAGE) کا ہنی بال (HANNIBAL) (۲۴۷-۱۸۳ ق م) اور دوسرے فوجی قائد اور کشورکشا انسانی آبادیوں میں اس طرح شکار کھیلتے ہیں، اور ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے ہیں جیسے مشاق وبے درد شکاری بلاامتیاز جنگلی جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔

تباہ کاری اور انسانی زندگی وبرگزیدگی کے ساتھ یہ کھلواڑ حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد بھی جاری رہی، چنانچہ ان کے بعد کے انسانیت پر ظلم ڈھانے والوں اور سنگ دلوں میں نیرو (NERO) (م ۶۶۸) جیسے لوگوں نے اپنے ہم وطنوں کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنایا، اور اپنی ماں اور بیوی کو بھی نہیں بخشا، یہی شخص روما کی عظیم آتش زدگی کا بھی ذمہ دار ہے، جب روما آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا تو وہ چین کی بانسری بجا رہا تھا[2]۔

یورپ کے وحشی قبائل یعنی مغربی ومشرقی گاتھ اور ونڈال وغیرہ جو بعثت محمدی سے ایک صدی قبل پانچویں صدی مسیحی میں سرگرم تھے، وہ دنیا کی بڑی بڑی اور متمدن راجدھانیوں کو تاراج کردیتے اور...... روئے زمین پر بڑے پیمانے پر خوف اور دہشت پھیلا دیتے تھے[3]۔

عربوں کی نظر میں انسانی زندگی کی قدر وقیمت اتنی کم تھی کہ جنگ اور خونریزی...... ان کے لیے ایک کھیل بن گئی تھی، اور معمولی سا واقعہ بھی جنگ کا محرک بن جاتا تھا، چنانچہ بنی وائل کے دو قبیلوں بکر وتغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا جس میں پانی کی طرح خون بہا، بات صرف اتنی تھی کہ کُلَیب (رئیس معد) نے بسوس بنت منقذ کی اونٹنی کے تھن پر تیر مار دیا تھا، جس سے اس کا خون دودھ میں مل گیا تھا۔ اس کے باعث جساس بن مرّہ نے کلیب کو قتل کردیا، اور بکر وتغلب میں جنگ چھڑ گئی۔ اس خانہ جنگی کے بارے میں کُلیب کا بھائی المہلہل کہتا ہے:-

"انسان فنا ہوگئے، مائیں بے اولاد ہوگئیں، بچے یتیم ہوگئے، آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے، اور مُردے بے کفن دفن پڑے ہیں۔"

اسی طرح داحس وغبراء کی جنگ کا سبب یہ ہوا کہ داحس جو قیس بن زہیر کا گھوڑا تھا، وہ قیس اور حذیفہ بن بدر کے درمیان مقابلہ میں آگے نکل گیا تھا، جس پر ایک اسدی نے حذیفہ کے کہنے پر گھوڑے کو چھیڑا اور اس کے چہرہ پر طمانچہ مارا اور اس وجہ سے وہ گھوڑا پچھڑ گیا۔

اس واقعہ کے بعد قتل وانتقام اور قبائلی جنگ، قید وبند اور قبیلوں کے ترک وطن کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا اور اس میں ہزاروں آدمی مارے گئے[4]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے غزوات کی کل تعداد ستائیس[27] یا اٹھائیس[28] ہے اور سرایا کی تعداد ساٹھ تک پہونچتی ہے ان میں، جنگی تاریخوں کو دیکھتے ہوئے سب سے کم خون بہایا گیا۔ ان میں طرفین کے صرف ۱۰۱۸ آدمی مارے گئے، اور ان غزوات کا مقصد انسانی جانوں کی حفاظت، انسانی مفادات کا دفاع تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اخلاقی آداب اور شریفانہ تعلیمات کی اس طرح پابند تھیں کہ نوع انسانی کے حق میں تعذیب کے بجائے تادیب

---

1. سنن ابی داؤد۔ 2. انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: ولیم لینگر (WILLIAM-L-LANGER) طبع ۱۹۶۳ء

3. انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: ولیم لینگر (WILLIAM L. LANGER)

4. ملاحظہ ہو "ایام العرب"

کا حکم رکھتی تھیں[1]۔

اسلام ایمان اور اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ انسان کی عظمت وشرافت کا ایسا شعور پیدا کرتا ہے جس سے ایک مسلمان اس معاملہ میں بہت زود حس ہو جاتا ہے، وہ انسان کو کسی حال میں جانوروں کے درجہ میں نہیں اتارتا اور نہ وہ ان سے حیوانوں جیسا سلوک پسند کرتا ہے۔ اور نہ انھیں اپنے ذاتی تفوق کے لیے غلام بناتا ہے۔ وہ اپنے اور دوسرے انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا کہ ان سے توہین آمیز سلوک کرے، یہاں انسانی مساوات اور احترام انسانیت کے سلسلہ میں بطور نمونہ صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے:-

• حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ان کے پاس مصر کے ایک قبطی نے فریاد کی، آپ نے دریافت فرمایا تو اس نے کہا۔ عمرو بن العاص نے مصر میں گھوڑ دوڑ کرائی جس میں میرا گھوڑا آگے نکل گیا اور لوگوں نے اسے دیکھا بھی، مگر محمد بن عمرو بن العاص کہنے لگے کہ بخدا یہ میرا گھوڑا ہے، وہ جب قریب آئے تو میں نے انھیں پہچان کر کہا کہ نہیں بخدا یہ میرا گھوڑا ہے، اس پر وہ مجھے کوڑوں سے مارنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ جانتے نہیں کہ میں ابن الاکرمین (شریف زادہ) ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ بیٹھو! پھر عمرو بن العاص کو لکھا کہ میرا خط دیکھتے ہی تم اور تمھارے بیٹے محمد حاضر ہو جائیں، راوی کہتا ہے کہ عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو انھوں نے کہا تب کیوں عمر (رضی اللہ عنہ) نے تمھارے بارے میں لکھا ہے؟ اس کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوگئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ ہی کے پاس تھے کہ عمرو بن العاص کو ایک لنگی اور چادر میں آتے دیکھا تو حضرت عمرؓ دیکھنے لگے کہ ان کا بیٹا بھی ساتھ ہے یا نہیں، جو ان کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مصری کہاں ہے؟ اس نے کہا ہاں میں یہاں ہوں، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دُرّہ لے کر ابن الاکرمین (شریف زادہ) کی خبر لو، راوی کہتا ہے کہ اس نے اسے اچھی طرح مارا، پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ عمرو کے سر پر بھی گھماؤ، کیونکہ انھیں کے برتے پر اس نے تمھیں مارا تھا۔ مصری کہنے لگا کہ میں مارنے والے کو مار چکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم انھیں مارتے تو میں نہ بیچ میں پڑتا جب تک کہ تم ہی نہ انھیں چھوڑتے، پھر فرمایا عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انھیں آزاد جنا تھا؟ پھر مصری کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اطمینان سے جاؤ اگر کوئی بات پیش آئے تو مجھے لکھنا[2]۔

ماخوذ از: تہذیب وتمدن پر اسلام کے احسانات

---

1. فوجوں کو روانہ کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے لیے حدیث وسیرت کی کتابیں ملاحظہ ہوں، تفصیل کے لیے دیکھیں راقم الحروف کی کتاب دیکھیں "نبی رحمتؐ" حصہ دوم کا باب "غزوات پر ایک نظر" ص ۱۱۵

2. سیرت عمر بن الخطابؓ لابن الجوزی ص ۸۶-۸۷

(بقیہ) یورپ خودکشی کی راہ پر

اسی طرح مسلمانوں میں یہ شعور بھی بیدار ہو رہا ہے کہ وہ عالمی امت ہیں جن کے پاس صلاحیتیں قدرتی ذخائر اور اہمیت کے حامل وہ مقامات ہیں جو عالمی سیاست پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اور وہ ایک ایسا عنصر ہیں جس سے بے نیازی ممکن نہیں۔ اس شعور کے پروان چڑھنے اور قوت ارادی، آزادی عمل اور خود اعتمادی کے پیدا ہوتے ہی مسلمانوں کی حالت یکسر تبدیل ہو جائے گی۔

(بقیہ) احمد آباد کا اجلاس

۲۔ جناب مفتی عبدالسلام صاحب نائب صدر
۳۔ " غلام محمد میمن ٹرودوی۔ "
۴۔ " مصطفیٰ صاحب اٹالین بیکری والے "
۵۔ " مولانا فضل الرحیم صاحب جے پوری "
(جامعہ ہدایت جے پور)
۶۔ مولانا غلام محمد استانوی صاحب جنرل سکریٹری
(اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر)
۷۔ جناب ظفر بھائی سکریس والے نائب سکریٹری
۸۔ جناب مولانا حبیب احمد صاحب نائب سکریٹری
(جامعہ فیضان القرآن۔ احمد آباد)

دُعائے مغفرت

• محمد خالد قمر متعلم اعدادیہ کی والدہ ماجدہ کا صرف ۴۵ سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ اچانک اور کم عمری میں پیش آیا اس لیے پسماندگان اور ان کے بچوں کے لیے بڑا سخت حادثہ ہے اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

یورپ کامیابی یا خودکشی کی راہ پر؟

مولانا سید واضح رشید ندوی۔ ترجمہ: عبد البر حقیق اللہ

کچھ عرصے سے بعض یورپی ممالک کو قسطنطنیہ کے آرتھوڈکس چرچ (ORTHODOX CHURCH) کی بازیابی کی فکر لاحق ہے، اور اپنی اس خواہش کا بعض یورپی ممالک نے ترکی سے اظہار بھی کیا ہے اور بعض نے دباؤ بھی ڈالنا شروع کر دیا ہے، لیکن اس کے خلاف ترکی میں اور دوسرے مسلم ملکوں میں شدید رد عمل پیدا ہوا جس سے ان ملکوں کو یہ احساس ہوا کہ یہ کوششیں اسلامی عناصر کی تقویت کا سبب بنیں گی، اور اس سے ترکی کے اسلامی برادری سے روابط میں قوت پیدا ہوگی اور وہاں کے نوجوانوں میں اسلامی حمیت اور اسلام سے وابستگی کا جذبہ بیدار ہو جائے گا، اور اس کا اثر پورے ایشیائی مسلم ملکوں پر پڑے گا۔ ترکی اپنے جائے وقوع کے اعتبار سے یورپ کے دونوں حصوں کے درمیان پولیس مین اور پہرے دار کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور اس میں اسلامی جذبہ کا دوبارہ احیا یورپ کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے، اس احساس کے بعد بازیابی کی یہ مہم مدھم پڑ گئی۔

جائے وقوع کی اس اہمیت اور افادیت کی وجہ سے یورپ ترکی کو اپنا ہمنوا رکھنا چاہتا ہے، یورپ کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی ہے کہ جو ممالک جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے اسٹریٹجک (STRATEGIC) پوزیشن رکھتے ہیں ان پر اس کا کنٹرول رہے، مصر اور یمن کو یہی حیثیت حاصل رہی ہے، فلسطین بھی ان علاقوں میں شامل ہے، یہاں مغرب نے ایسا نظام قائم کر لیا ہے جو اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے، بعد مسافت کی بنا پر مغربی ملکوں نے اب خلیج میں اپنے ادارے قائم کرنے شروع کر دیئے ہیں، کیونکہ اس کی قوت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو دور سے وہ اسرائیل کی حفاظت نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وہ ایک ایسی عظیم آبادی کے بیچ گھرا ہوا ہے جو اسے غیر ملکی اور غاصب تصور کرتی ہے اور اس کی مملکت میں اپنے حق کی دعویدار ہے، اور خود اندرون ملک بھی ایک بڑی اکثریت ہے جو اپنے ملک کی بازیابی کے لئے برسر پیکار ہے، ان حفاظتی انتظامات کے ساتھ ساتھ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اس کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے مغرب اس وقت فریقین کے درمیان دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں مصروف و سرگرم ہے، تاکہ اس کے اقتصادی اور دفاعی بوجھ میں کمی آ جائے اور جن بین الاقوامی ذمہ داریوں کا سامنا اسے کرنا پڑتا ہے اس میں کچھ تخفیف ہو جائے۔

یہ اہمیت کے حامل مقامات جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے خواہ یہ بری ہوں یا بحری، اور یہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، بڑے ممالک کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ جن ممالک میں یہ مقامات موجود ہیں ان کے ساتھ اس کے خصوصی نوعیت کے روابط قائم رہیں، ان پر گذشتہ عہد میں برطانیہ اور فرانس اٹلی اور پرتگال کا قبضہ تھا، اب امریکہ ان سب مقامات پر اپنا کنٹرول چاہتا ہے۔ ان بڑے ممالک میں سے ہر ایک کے اپنے مقاصد ہیں اور ان کے مابین باہم رنجشیں بھی ہیں، اور کشمکش کے وہ پس منظر ہیں جن کے سبب طویل جنگیں ہوئیں، جن کی یاد ذہنوں سے محو ہونے والی نہیں، اگرچہ امریکہ کے علاوہ کوئی بھی ملک اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ تنہا ان مقامات پر مکمل تسلط حاصل کرے، سوائے اس کے کہ وہ خود وہاں کی حکومتوں کا تعاون حاصل کرے، اور جب تک ان مقامات کی حکومتیں یورپ کے ساتھ تعاون اور اس کی تابعداری کرتی رہیں گی اس وقت تک وہاں سے یورپ کی بالواسطہ سیادت کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ یورپی ممالک اسلامی بیداری سے خائف ہیں، کیونکہ اگر یہ بیداری زور پکڑتی ہے تو لامحالہ حاکم طبقہ پر بھی اس کے اثرات پڑے بغیر نہیں رہ سکتے، اسی لیے یورپی اخبارات اسلامی بیداری پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اور لکھتے رہتے ہیں کہ اگر اسلامی بیداری زور پکڑتی ہے اور حاکم طبقہ اس کے دائرہ میں آ جاتا ہے تو یورپ کے تجارتی، سیاسی اور دفاعی مفاد کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، اپنے ان مفادات کے تحفظ ہی کے خیال سے یورپ، اسلامی بیداری کے خلاف جنگ پر آمادہ ہے، یورپ کے تبصرہ نگاروں کے جملہ تبصروں میں یہ تشویش بالکل نمایاں طور پر نظر آتی ہے، بعض تبصرہ نگار اس حد تک خوفزدہ ہیں کہ وہ جنگ کے بجائے اسلامی بیداری کے قائدین سے معاملہ کرنے کی دعوت دینے لگے ہیں اور ان کو اس کا احساس ہونے لگا ہے کہ اسلامی بیداری کی کھلی مخالفت سے بیداری میں قوت پیدا ہو رہی ہے، بعض یورپی قائدین بھی اب سودے بازی کی بات کرنے لگے ہیں۔ ابھی حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلامی بیداری کے خلاف بہت

شور مچانے سے اس رجحان میں اضافہ ہوا ہے، اور یہ جنگ اسلام پسندوں میں مزید قوت و استقلال پیدا کرنے کا سبب بنے گی، اور اس کشمکش کے نتیجہ میں اس رجحان کے رکھنے والے عناصر میں ٹریننگ حاصل کرنے اور اسلحہ کے استعمال، اور اپنے دفاع کے وسائل پر غور کرنے کا رجحان پیدا ہوگا، اور اپنے مخالفین کے خلاف غم و غصہ اور ان سے انتقام کے جذبہ میں اضافہ ہوگا۔

یورپ کے لئے سب سے زیادہ فکر کی بات یہ ہے کہ اسلامی بیداری کا مرکز اب خود یورپ ہے۔ بعض یورپی ممالک، مسلمانوں کو دہشت گردی یا اسلام پسندی کے الزام میں جلاوطن کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کر رہے ہیں، اس کے نتیجہ میں ان ملکوں کے اجتماعی اور تجارتی توازن کے بگڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، اس لئے کہ اگر بڑی تعداد میں اسلامی عناصر کو نکالا جائے تو اقتصادی نظام افراتفری کا شکار ہو جائے گا اور ایک ایسا خلا پیدا ہوگا جس سے کوئی کور چشم بغض پرور ہی چشم پوشی کر سکتا ہے، کیونکہ ان ممالک کی صنعتی زندگی کا دارومدار بڑی تعداد میں غیر ملکی کارکنوں پر ہے، اور جو صنعتی و تمدنی ترقی ان ممالک کو حاصل ہوئی ہے وہ صرف وہاں کے اصلی باشندوں کے زور پر باقی نہیں رہ سکتی، اور یہ ممالک خواہ کتنی ہی دھمکی کیوں نہ دیں مگر وہ اس بڑی تعداد سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے جس نے ان ملکوں میں بود و باش اختیار کر لی ہے، وہ وہاں کا ایک جزو لاینفک بن گئی ہے، وہاں کے باشندوں سے گھل مل چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بالکل وہاں کے اصلی باشندوں کی سی ہے، مزید برآں اس کارروائی سے وہاں کے موجودہ نظام کے سلسلہ میں لوگوں کے تصورات اور پیمانے بدل جائیں گے، اور یہ عمل ان ممالک کے، جمہوریت، سیکولرزم، حقوق انسانی، آزادی عقیدہ و عمل اور آزادی سلوک کے تمام دعووں کی حقیقت کو بے نقاب کر دے گا۔ یہ ممالک کس طرح اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ترقی یافتہ اور متمدن ہیں، ان کے یہاں باشندوں کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں اور انھیں مکمل آزادی حاصل ہے؟ جب کہ وہیں پر بعض باشندوں کو ایک خاص طرز کے لباس خاص طرح کے کھانے و مشروب اور خاص نوع کے عقیدہ و عبادت کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس سیاست کو اپناتے ہوئے یہ ممالک، دنیا کے بچاس سے بھی زائد سیاسی، جغرافیائی اور تجارتی اہمیت کے حامل ممالک سے دوستانہ تعلقات کیونکر قائم کر سکتے ہیں۔ یہ اہمیت کے حامل مقامات جو کہ بڑے ممالک کی زندگی کی ناگزیر ضرورتوں کے مالک ہیں، ان کے علاوہ عالم اسلامی کے ممالک، معدنیات، دھات، حیوانات، سمندر اور جنگلات کی ایک عظیم دولت سے مالامال ہیں، مزید برآں ان کے پاس پٹرول اور سونے کا وہ سرمایہ موجود ہے جس پر یورپ کی صنعت کا دارومدار ہے۔

اس کے علاوہ موجودہ زندگی میں، تمام وسائل و آلات کی ایجادات کے باوجود، انسانی طاقت اپنا الگ وزن رکھتی ہے، اور یہ صنعت و دفاع دونوں میں فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہ عددی اعتبار سے فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔

بین الاقوامی اسٹیجوں پر، مثلاً اقوام متحدہ اور اس کے مختلف اداروں میں مسلم ملکوں کی تعداد ترجیحی حیثیت رکھتی ہے، وہ اگر کوئی متحدہ موقف اختیار کریں تو وہ عالمی فیصلہ پر موثر ہو سکتا ہے، اگر مسلم ممالک پوری آزادی اور مکمل خود اعتمادی کے ساتھ اپنے اس حق کا استعمال کریں تو وہ عالمی سیاست پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

عصر حاضر میں یورپ کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو خود ان کی قوتوں کے سرچشموں، ان کے وزن اور دنیا میں ان کے جائے وقوع کی اہمیت کے احساس سے غافل کر دیا ہے، اور وہ پوری تندہی کے ساتھ ہمیشہ مسلمانوں کو اس احساس سے غافل رکھنے کے لئے کوشاں رہا ہے، جیسا کہ اس نے مسلمانوں کو ان کی دینی تعلیمات سے دور کرنے کی انتھک کوششیں کیں، ان کو اپنے مذہب کی تعلیمات سے دور رکھا، قومیت اور لادینیت کی اشاعت کی اور بعض ملکوں میں ان پر الحاد کو لازم قرار دیا، اسلامی تحریکات کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر دوبارہ دینی شعور بیدار ہو چکا ہے، مگر ابھی یہ صرف شعور ہے، یہ عمل کا محتاج ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ عام زندگی اس شعور کے مطابق ہو، مغرب کی یہ پوری کوشش ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل پیرا ہونے، اور دین کی تعلیمات کو زندگی میں نافذ کرنے سے باز رکھے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ دعوت کا کام کرنے والوں کو ان کی حکومتوں کے ساتھ اختلافات میں الجھانے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی فکر میں ہے تاکہ وہ دینی شعور کی اشاعت کے مشن کو جاری نہ رکھ سکیں۔ بعض حکام نے مغربی حاکموں کے ان فرامین کو قبول بھی کر لیا ہے، اور وہ بھی اسلامی ذہن سے اسی طرح خوفزدہ ہیں جیسے کہ مغرب کے حکام، ان حکام کا ذہن افہام و تفہیم اور اخوت و انسانیت کے جذبہ کے ساتھ تبادلہ خیال کے ذریعہ بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور ان کو یورپ کے استعماری عزائم کی حقیقت سے واقف کرانا چاہیے تو آہستہ آہستہ یہ اختلافات ختم ہوتے جائیں گے۔ مسلمانوں میں یہ شعور پیدا ہو چکا ہے کہ اسلام کا نظام حیات سب سے بہتر نظام حیات ہے، اگر یہ شعور ان کی زندگیوں میں داخل ہو جائے تو وہ عنقریب ہی خیر الامم ہونے کا درجہ حاصل کر لیں گے۔

(باقی [illegible] پر)

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

ہندوستان میں دعوتی کام کا ایک اسلوب

ہمارا ملک ہندوستان اس وقت سخت بحران میں مبتلا ہے، کیا ہندو، کیا مسلمان سبھی تیز رفتار زندگی میں جو اب عبارت ہے سخت مقابلے اور مسابقے کے رویے سے، بہے چلے جا رہے ہیں، اور اخلاقی و روحانی اقدار اس تیز روی میں کچل کر رہ گئی ہیں۔ اس صورت میں بحیثیت مسلمان ہمارا کیا فرض ہے، اور ہم کس طرح ملک و ملت کی تاریخ کے اس دور میں اپنا دعوتی و انسانی فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اس سوال کے کئی پہلو ہیں، میں صرف ایک پہلو سے متعلق چند باتیں عرض کروں گا۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہم مسلمان کسی ملک کسی علاقے میں ہوں، خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، انسانیت کے خدمت گزار اور عام انسانوں کی بھلائی کے خواستگار اور انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی زندگیوں میں اخلاقی و روحانی اقدار کو غالب رکھنے کے لئے کوشاں رہیں۔

زندگی کا کیا مقصد ہے، اس کی آخری منزل کہاں ہے، اور تاریخ کے بہاؤ میں انسان کا اصل موقف اور اصل رول کیا ہے؟ اسلام کا مطالبہ ہے کہ انسان ان سوالوں کو اہم سمجھے اور اپنے فکر و عمل سے، ہر قسم کی صورت حال میں، ان سوالوں کا جواب دیتا رہے۔

انسان کے اندر ہر وقت ایک کشمکش خیر و شر کی رہتی ہے، اور یہ کشمکش منعکس ہوتی رہتی ہے معاشرہ میں، جب کبھی شر غالب آجاتا ہے تو فتنہ و فساد اپنے مختلف روپ میں پھیل جاتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ وہ مسلمان کی حیثیت سے خیر امت ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سہارے پکے ایمان و عقیدہ کے ساتھ، فتنہ و فساد کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں اور اصلاح حال کی ہر ممکن کوشش کریں، ضرورت ہو تو جان کی بازی لگا کر۔

لیکن معاشرہ میں اگر فتنہ و فساد نہ ہو، امن و سلامتی کی فضا ہو، تب بھی دعوت اسلامی کا کام جاری رہنا چاہئے۔ امن و سلامتی سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ زندگی کا کاروبار تو بہر حال چلتا رہتا ہے، لیکن معمول کی اس زندگی میں بھی مرد مسلمان کو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے گہرے جذبے کے ساتھ اپنے اہل خاندان، دوستوں، ہمسایوں اور پورے معاشرہ کے سامنے جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، ایک اچھی اور صاف ستھری زندگی کا نمونہ پیش کرتے رہنے کا فریضہ ادا کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ عام انسانوں کے لئے منشائے الٰہی کا شاہد و حجت بن جائے یعنی یہ ایک عمل ہے جو ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے۔ فتنہ و فساد کی صورت میں اس عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور غیر معمولی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے۔ ایسے میں اس مرد مسلماں کا کام مشکل ہو جاتا ہے اور اس کی آزمائشیں بڑھ جاتی ہیں، لیکن اس کا دینی احساس، یہ احساس کہ وہ اسلام اور خیر امت کا ترجمان ہے، اسے وقت کے اس چیلنج کو قبول کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ اس روشن ضمیر، غیور اور باہمت مرد مسلماں کے دینی جذبے اور صحیح فکر و شعور نے وقت کے دھارے کا رخ موڑ دیا ہے، حالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور اس کی شخصیت میں فکر و عمل کی کامل آہنگی سے کارگاہِ حیات کو حسن اور رونق ملی ہے۔

اس صورت حال کا سامنا ان علاقوں میں بھی مسلمانوں کو ہوتا ہے جہاں وہ اکثریت میں ہیں اور وہاں بھی جہاں اقلیت میں ہیں۔ یہاں ہم اقلیتی صورت حال کے تعلق سے کچھ کہیں گے۔

اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے، ہمیں یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کہیں ہمارے رویے سے دوسرے یہ نہ محسوس کرنے لگیں کہ ہم اسلام کو ایک خاص جماعت ہی کا مذہب سمجھتے ہیں۔ یہ تو بعض ان قوموں کی خصوصیت بن گئی تھی جن تک مسلمانوں سے پہلے خدا کا پیغام پہونچا تھا۔ قرآن کریم میں ایسی گروہ بندیوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو سیاسی اقتدار و حکومت کو اسلام کا بنیادی مقصد تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسے خیال اور اس خیال کو عمل میں لانے کی کوشش سے اکثریت سے تصادم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ یہ اسلام کا بنیادی مقصد نہیں ہے، مسلمان خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، ان کا فرض ہے، ایک فرد کی حیثیت سے بھی اور ایک جماعت کی حیثیت سے بھی کہ وہ اسلام کے پیغام کی اشاعت بطریق احسن کرتے رہیں۔ یہی وہ ذمہ داری ہے جسے ہم "دعوۃ" کا فریضہ کہتے ہیں۔ یہ ایک ذمہ داری اس لئے ہے کہ ہر مسلمان عالم انسانیت کے نام خدا کے آخری پیغام کا حامل ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر نہ کیا جائے۔ اس جبر یا دباؤ کی ہر صورت دعوۃ کی اصل روح سے متصادم ہوگی۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی دلوں کو بدل سکتے ہیں۔ ہمیں اس کا حق نہیں کہ اپنے کسی رویے سے اس کے اس اختیار مطلق میں دخل دیں۔ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام نوع انسان کو مسلمان پیدا کرتا، لیکن اس کی مرضی و مصلحت یہ نہ تھی۔

کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج دعوت اسلامی کے پہلے مخاطب ہم مسلمان خود ہیں، اس لئے ہمیں ہمہ وقت، خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو جانچتے رہنا چاہئے کہ کیا ہم ایسی اسلامی زندگی گذار رہے ہیں جو نمونے کی ہو اور جسے دیکھ کر انسانوں کے دل، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو، زندگی کے اس طرز کی طرف کھنچیں، اور ان میں اسی طرح کی زندگی کی آرزو پیدا ہو ....

ہمارے صوفی بزرگوں کا، اللہ کی بے پایاں رحمت ان پر ہو، ہندوستان میں دعوۃ کا یہی اسلوب تھا اور اس کے نتائج حوصلہ افزا ثابت ہوئے تھے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مجموعۂ ملفوظات میں ہے کہ ۷۱۰ھ کے رمضان المبارک کی چوتھی تاریخ کو ان کی مجلس میں ایک نوجوان حاضر ہوا اور ایک ہندو کو اپنے ساتھ لایا، اور عرض کیا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو اس نوجوان سے پوچھا گیا کہ تمہارے اس بھائی کا رجحان کچھ اسلام کی طرف بھی ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کو اسی بات کے لئے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں کہ مخدوم کی نظر کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔ حضرت شیخ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ کسی کے کہنے سے اس قوم کا دل نہیں بدلا کرتا، البتہ اگر کسی نیک اور صالح آدمی کی صحبت مل جائے تو امید ہوتی ہے کہ اس صحبت کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔"

جہاں تک ہماری معلومات ہیں اور یقیناً وہ محدود ہیں، ہمارا یہ احساس ہے کہ مسلمانوں سے خاص طور سے اس بات کا حساب نہیں مانگا جائے گا کہ انھوں نے کتنی قوموں کو مفتوح بنایا یا انھوں نے کتنی اسلامی مملکتیں قائم کیں، یا انھوں نے کتنی شان و شوکت اور کتنا اقتدار و غلبہ حاصل کیا، ہاں، ان سے یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ انھوں نے توحید و رسالت کے تقاضوں کو اپنی اپنی زندگیوں میں اپنے اختیار سے، کہاں تک پورا کیا، صداقت، خیر و عدل، انسانیت، انصاف اور دوسرے معروفات کا حق کہاں تک ادا کیا اور کہاں تک باطل، بدی، کذب و فریب، انسان دشمنی اور دوسرے منکرات سے اپنے آپ کو باز اور محفوظ رکھا۔

سچی اور مثالی اسلامی زندگی گذارنے کی کوشش، اس طرح کہ مرد مسلماں کی شخصیت کا حسن دوسروں کے لئے باعث کشش بن جائے، اس کی بنیادی ذمہ داری ہے، اور یہ کوشش ایک مسلسل عمل ہے اس کی زندگی کے آخری لمحے تک۔ آج کے غیر مسلم کل کے مسلمان ہو سکتے ہیں، اس لئے ہمیں اپنی اس ذمہ داری کو، ہندوستان کے موجودہ حالات میں، جہاں وقتی طور پر ہم ظلم و ناانصافی اور مصائب و آلام کا شکار ہیں، قرن اول کے مسلمانوں کی مکی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے، بہر صورت پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ ایک مستقل محنت ہے، ایک مستقل جد و جہد، بلکہ یوں کہئے کہ آج کے ہندوستان میں سچی مثالی اسلامی زندگی گذارنے کا عزم ہی روح عزیمت اور اصل جہاد ہے۔

مسلمان کہیں اکثریت میں ہیں اور کہیں اقلیت میں، لیکن قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی کے بنیادی رہنما اصول سب کے لئے یکساں ہیں۔ اسلام صرف ان علاقوں کے لئے نہیں ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ اس لئے اقلیتی صورت حال میں ہمارا دعوتی اسلوب کیا ہو، اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ اپنے ملک کی مثال کو سامنے رکھئے جس کا عام معاشرہ مذہب بیزار نہیں ہے، جہاں مملکت و حکومت کا ڈھانچہ جمہوریت اور سیکولرزم کے غیر ملحدانہ اصول پر مبنی ہے جس کی رو سے اس کے شہریوں کو مذہبی آزادی، شعائر مذہب پر عمل کی اور اپنے عقیدہ و خیال کی اشاعت کی آزادی حاصل ہے۔ ملک کا یہ دستور جمہوری آزادیوں کی ایک فضا قائم کرتا ہے، اس لئے آج جبکہ اس دستور کو اپنے ہی ملک کے ناسمجھ لوگوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہے، ہماری ذمہ داری بلکہ مذہبی ذمہ داری ہے کہ ہم اس دستور کے اولین محافظوں میں ہوں، اور وطن عزیز کے سمجھدار اور صاف ذہن عناصر کے ساتھ مل کر، پوری قوت سے جمہوریت دشمن طاقتوں کا مقابلہ کریں اور اپنے جمہوری سیکولر دستور کو زندہ اور فعال رکھیں۔

ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ تصادم کی ایک مستقل صورت خاص طور پر ہندوستان جیسے ملک میں دعوت اسلامی کے عظیم بالشان کام کے لئے سخت ناموزوں اور ضرر رساں ہے۔ ایسا پہلے بھی تھا اور ایسا آج بھی ہے۔

تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم بہر قیمت اپنا ملی تشخص باقی و قائم رکھتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کو بتائیں کہ مسلمان کی حیثیت سے ہم نہ صرف سبھی انسانوں کی روحانی و اخلاقی فلاح و بہبود کے خواہاں ہیں، بلکہ زندگی کے ان تمام شعبوں میں جن کا تعلق اس مادی دنیا سے ہے، ہم ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں جہاں ہماری دولت، ذرائع دولت اور خوشحالی مشترک ہے، وہیں ہمارا دکھ درد، بھوک، بیماری

جہالت اور غریبی، سب مشترک ہے، اس لئے سماج میں مسلمانوں کی طرف سے ویلفیر کا جو کام بھی ہوگا، بلا لحاظ مذہب وملت سب کے لئے ہوگا۔ اس سماجی رویے کی افادیت کو دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایسے اچھے اور مفید سماجی کام کے موقع اور بہانے ڈھونڈتے رہنا چاہئے، دعوت اسلامی درحقیقت انسانیت کا پیغام ہے، سچی اسلامیت سچی انسانیت ہے۔

افسوس ہے کہ ملکی سطح پر ویلفیر کے سماجی کام کی ہمارے یہاں کوئی قابل ذکر روایت نہیں ہے، بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبے کے ساتھ ہمارے یہاں کوئی ایسی سماجی فلاح وبہبود کی تحریک نہیں جو دوست تو دوست، دشمنوں کے دل کو بھی جیت لے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اسے ضروری بھی سمجھتے ہیں؟

اب ہم اس دور کے ایک بڑے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ایک مکتوب سے جو انھوں نے مولانا عبدالباری ندوی مرحوم کے نام ۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ کو رقم فرمایا تھا ایک طویل اقتباس درج کرتے ہیں، اس سے آج کے ہندوستان میں دعوت اسلامی کے ایک اہم اور خاص پہلو کی ایک بڑے عالم باعمل اور وقت کے ایک بڑے صوفی شیخ کے مستند لفظوں میں بڑی خوبی سے وضاحت ہوجاتی ہے، کوئی ساٹھ برس ہوئے اس مجاہد عالم اور شیخ وقت نے اپنے ایک عزیز مرید کو لکھا تھا:

"آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے، اور جس روز صلح حدیبیہ تمام وکمال کو پہونچی ہے اسی روز "إِنَّا فَتَحْنَا" الآیہ نازل ہوتی ہے جس پر حضرت عمرؓ تعجب کرتے ہوئے استفسار فرماتے ہیں "یارسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟" آپس میں اختلاط کا ہونا، نفرت میں کمی آنا، مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا ہٹ جانا، یہی امور تھے جنھوں نے افلاذ اکباد قریش کو کھینچ کر صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینہ کو پہونچا دیا۔

"الغرض، اختلاط باعث عدم تنافر ہے" اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا اور تنافر باعث ضد اور ہٹ ہے اور وہ اسلام کی ترقی میں سد راہ ہونے والا ہے، اور چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ جس قدر ہوسکے غیر کو اپنے میں ہضم کرے، نہ یہ کہ ان کو دور کرے، اس لئے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو ان سے ایسا نہ کرنا چاہئے، وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں تو ہم کو ان کے ساتھ ظالمانہ غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہئے، اسلام پدر شفیق ہے، اسلام مادر مہربان ہے، اسلام ناصح خیر خواہ ہے، اسلام جالب اقوام ہے، اسلام ہمدرد بنی نوع انسان ہے، اس کو غیروں سے "وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا" پر کاربند ہونا شایاں نہیں، بلکہ اس کی غرض کے لئے سد یاجوج ہے۔ کفر نے کبھی اسلام سے عدل وانصاف نہیں کیا۔ مگر اسلام نے انصاف، عدل واحسان کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور نہ چھوڑنا مناسب تھا۔ اگر بعض دنیا دار بادشاہوں نے کوئی ظلم وستم کیا ہے تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، اسلام ان کا ذمہ دار نہیں۔"

اسی طرح ۱۹۴۵ء میں تقسیم ملک سے دو سال قبل علماء کی ایک مخصوص جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا تھا (الفاظ ہمارے ہیں)، کہ محبت اور احسان کا سلوک، عدل وانصاف اور باہمی ربط وتعلق، نوع انسان کی غیر مشروط خدمت، دعوت اسلامی کے بنیادی اصول ہیں۔ ان اصولوں پر جب بھی عمل ہوا، اسلام کے حق میں اس کے نتیجے اچھے نکلے۔ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے مہتم بالشان کام کی زمین یہاں کی غیر مسلم آبادی ہی تو ہے۔ بے تعلقی اور نفرت کے جذبات سے اس کھیتی کی آبیاری نہیں ہوسکتی، ہمارے رسولؐ کی عالمگیر رسالت کے سراسر منافی ہوگا یہ رویہ، محبت وخیر سگالی سے ہی ہم دوسروں کے دلوں کو جیت سکتے ہیں، اس ملک میں اشاعت اسلام کی راہ میں ہمارے اسلاف کی جد وجہد اور قربانیوں کی بنیاد اسی اصول پر تھی اور آج بھی یہاں دعوت اسلام کا یہی اسلوب نتیجہ خیز، کامیاب اور کارآمد ہوسکتا ہے ؎

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والا
مٹھائیوں کی دنیا میں ایک ہی نام

طہورا سوئیٹس

جہاں کی مٹھائیاں ہر دل کو بھا رہی ہیں

اسپیشل مٹھائیاں
افلاطون، نانخطائیاں
ڈرائی فروٹ برفی۔ انجیر برفی۔ اخروٹ برفی
ملائی برفی۔ ملائی مینگو۔ پائن ایپل حلوہ
گلاب جامن، دودھی حلوہ، گلاب جامن۔
نیز قسم قسم کے لڈو اور مختلف قسم کی مٹھائیاں

۴۵/۲۳۵۔ بلاسس روڈ
ناگپاڑہ جنکشن بمبئی ۸
فون: ۳۰۸۲۷۳۱/۳۰۹۱۳۱۸/۳۰۸۲۷۳۱

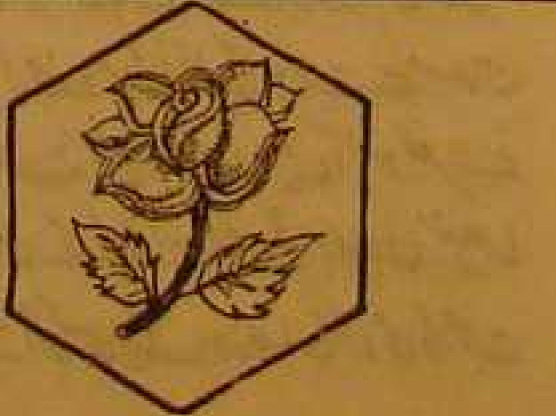

مخلصانہ نصیحت

تحقیر نہیں

حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

آدمی سے بشریت کی بنا پر گناہ سرزد ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے نفس کی وجہ سے صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے لیکن کسی دوسرے کو اس کی تحقیر وتذلیل کا حق نہیں پہنچتا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں سزا دیں اور پکڑ لیں بڑے بڑے کبائر کے مرتکب کو بھی معاف فرما سکتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی لغزش پر بھی گرفت فرما سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندوں کا معاملہ صرف مجھ ہی سے رہے اور لوگ اس میں اپنے مرتبہ سے زیادہ دخل نہ دیں اس لیے کسی کو نظر حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیئے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو تم یہاں بُرا سمجھتے ہو اور آخرت میں چل کر دیکھوگے کہ وہ تم سے درجہ میں بڑے ہیں اس سلسلہ میں ہم لوگوں سے بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ حیٰوۃ المسلمین میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو کسی گناہ سے عار دلائے تو اس کو موت نہ آویگی جب تک وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہوجائے۔ یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے اور کسی خاص وجہ سے حکم اور ہوسکتا ہے۔ خیر خواہی سے نصیحت کرنے میں کچھ ڈر نہیں اس خیر خواہی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے تنہائی میں کہے اور کسی پر اس کو ظاہر نہ کرے اور یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کون خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہے اور کس کا مقصود تحقیر وتذلیل ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جو خیر خواہی سے نصیحت کرتے ہوں اکثر ایسے مواقع میں تحقیر ہی ہوتی ہے۔

ایک صاحب لکھ رہے ہیں کہ یہاں پر دینی ماحول پیدا ہوگیا ہے اس سلسلہ میں یہ کہتا ہوں کہ خیر یہی کیا کم ہے کہ زبانوں پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں یہ بھی غنیمت ہے مگر سنو اصل دینی ماحول یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ اور کوئی کسی کو نہ ستاوے لیکن اب ہمارے مدرسوں میں اور دینی اداروں میں بھی دینی ماحول نہیں ہے معلوم نہیں لوگ کیا پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ دینی ماحول نہیں پیدا ہوتا۔ آخر دینی ماحول نام کس چیز کا ہے؟ اسی کا تو ہے کہ علم ہو اور عمل ہو اور اسی کا تذکرہ ہو مگر اب دینی ماحول کا پیدا ہونا تو الگ رہا لوگ اس قسم کے الفاظ بھی زبان پر نہیں لاتے ورنہ ہمارے معلوم نہیں کتنے واعظ ہوتے ہیں اگر ان میں ان چیزوں کا تذکرہ ہی کیا جائے تو کم از کم لوگوں کی زبانوں پر اس کا ذکر تو آ ہی جائے گا۔ پھر دینی ماحول بھی پیدا ہوجائے گا۔ اور کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے گی حضرتؒ فرماتے تھے کہ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

یعنی بہشت اس جگہ کا نام ہے جہاں کوئی تکلیف وایذا کی چیز نہ ہوگی۔ اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ سب سے بڑی چیز بہشت میں یہی ہوگی کہ وہاں کوئی آزار نہیں ہوگا اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اور سب سے بڑا عمل یہاں یہی ہے کہ کسی گنہگار کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے کسی بزرگ نے بہت عمدہ شعر فرمایا ہے کہ ؎

گناہ آئینہ عفو ورحمت است اے شیخ!
مبیں بچشم حقارت گناہ گاراں را!!

سب سے بڑا خلق اللہ تعالیٰ کا عفو ورحمت ہے۔ اور اس کا ظہور گناہ کے بعد ہی ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی عفو ورحمت کا آئینہ گناہ ہی ہے اس لیے گناہگاروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو، کیوں کہ شان عفو ورحمت کے یہی مظہر ہیں اس شعر میں۔ اے شیخ کے ساتھ خطاب فرما کر اس بات کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ تم شیخ ہوکر اتنا بھی نہیں جانتے کہ گناہگاروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے پھر شیخ کیسے ہو؟۔

یہیں سے بہت سے لوگ منقطع ہوجاتے ہیں مگر اسکو سمجھتے بھی نہیں یہ بہت دشوار گذار گھاٹی ہے اس میں اگر نفس ضرور اپنا کام کرگزرتا ہے اور جہاں آ... نے کچھ اوراد ووظائف شروع کیے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اس کا انجام بد بھی دیکھا ہے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کے متعلق کچھ کہتا ہے تھوڑے ہی دنوں کے بعد پکڑ گیا لوگوں نے کہا کہ دیکھو یہ شخص فلاں آدمی کو کہتا تھا اسی وجہ سے ایک بُری خصلت میں پکڑ گیا اور نکال دیا گیا۔ جو صوفیوں کے حق میں یہ چیز زہر قاتل ہے اس لیے انکو اپنے اخلاق کی اصلاح کرنی چاہیے۔ دوسروں کی فکر میں پڑنے کی ان کو کیا ضرورت ہے اگر وہ اپنی اصلاح کرلیں تو معلوم نہیں کتنے لوگوں کی اصلاح خود بخود ہوجائے مگر یہ لوگ اپنے نفس میں جلدی ہاتھ نہیں لگانا چاہتے اسی لیے میں برابر کہا کرتا ہوں کہ جب تک اپنے نفس کو نہیں مارو گے اور اپنے اخلاق بد کی اصلاح نہیں کروگے۔ کوئی مرتبہ خدا کی درگاہ میں نہیں پاسکتے اگر نفس کا تحفہ وہاں لیکر جاؤگے تو قبول نہیں ہوگا۔

(ماخوذ: وصیۃ العرفان: اپریل ۱۹۹۵ء)

شاہی میں درویشی کی جلوہ گری

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی صدر شعبۂ عربی۔ کالی کٹ یونیورسٹی

منصور کا دورِ حکومت اندلس کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اس کے جاہ و جلال سے عیسائی حکومتیں لرزہ براندام رہتی تھیں، اس نے دشمنوں کو مغلوب کر دیا تھا اور ایک طویل عرصہ تک ۳۶۶ھ تا ۳۹۲ھ اس نے اندلس پر حکومت کی اس کے دور میں عدل و انصاف اسلامی قدروں کا احیاء، عوام کی بہبودی، امن و امان اور ہر طرف معاشی آسودگی نظر آتی تھی، سیاسی استقرار کے باعث کسی کو مجال نہ تھی کہ بغاوت کر سکے۔

عصرِ عباسی میں مشہور ہے کہ جب توفیل رومی بادشاہ نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور عموریہ شہر کے قلعہ میں ایک مسلمان عورت نے قید کی حالت میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو مدد کے لیے پکارا اور کہا "وامعتصماہ" اے معتصم مدد کر، جب خلیفہ تک یہ پیغام پہونچا تو وہ اپنے دربار میں تھا۔ فوراً وہیں بھرے دربار میں جواب دیا لبیک لبیک (میں حاضر ہوں) فوراً بڑے پیمانے پر لشکر تیار کیا عموریہ پہونچا حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ رومی بادشاہ کی دو لاکھ فوج کو شکست فاش دی اور عورت کو آزاد کرا لیا اور اس کو ساتھ لاکر اس کے خاندان کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کو مورخین اسلام کی شان و عظمت کا ترجمان تصور کرتے ہیں کہ اتنے بڑے خلیفہ نے صرف ایک عورت کی خاطر اتنا بڑا جہاد کیا۔

بالکل اسی طرح منصور نے اندلس میں اسلام کی عظمت اور جاہ و جلال کا نقش قائم کیا قشتالہ ایک عیسائی ریاست تھی، منصور کو یہ ریاست خراج ادا کرتی تھی، منصور اپنے قاصدوں کو قشتالہ برابر بھیجتا تھا۔ ایک دن منصور کا قاصد ٹہلتے ٹہلتے ایک چرچ کے پاس چلا گیا۔ وہاں اس کو ایک مسلمان عورت ملی جو بہت زمانہ سے عیسائیوں کی قید و بند میں تھی۔ وہ آگے بڑھ کر بولی! کہا منصور کو اپنی عیش و عشرت میں ہماری مصیبت یاد نہیں رہی؟ میں برسوں سے قید میں پڑی ہوں۔ اس نے قسم دلا کر کہا کہ جا کر منصور کو میرا پیغام پہونچا دو۔ قاصد لوٹ کر منصور کے پاس گیا۔ عام حالات اس نے بیان کیے۔ جب وہ خاموش ہوا تو منصور نے پوچھا کہ کوئی چیز تم کو وہاں ایسی بھی نظر آئی جو نامناسب تھی؟ تب قاصد نے اس عورت کا واقعہ سنایا۔ منصور خفا ہوا کہ تم نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتائی کہ ایک مسلمان عورت وہاں قید میں پڑی ہے۔ منصور اسی وقت فوراً فوجوں کو تیاری کا حکم دیا۔ جہاد کا اعلان کیا۔ عیسائی بادشاہ کو معلوم ہوا کہ منصور اس کی طرف فوجیں لے کر بڑھ رہا ہے تو وہ متحیر رہ گیا۔ منصور کا لشکر غرسیہ پہونچ گیا تب بادشاہ نے اس کو لکھا کہ اس نے اس کی پوری اطاعت کی ہے جزیہ ادا کیا ہے پھر اس سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے۔ تب منصور نے اس کو لکھا کہ تم نے فلاں عورت کو فلاں چرچ میں قید کر رکھا ہے حالانکہ ہمارا معاہدہ تھا کہ کوئی مسلمان تمہاری قید میں باقی نہ رہے گا۔ میں جب تک تمہارے ملک پر قبضہ کر کے اس مسلمان عورت کو قید سے نکال کر آزاد نہ کرا لوں گا واپس نہ جاؤں گا۔ اس عیسائی بادشاہ نے فوراً اس عورت کو قید سے نکال کر دو آدمیوں کی معیّت میں اس کو منصور کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور لکھا کہ اس عورت کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اور اس چرچ کو میں نے ڈھا دیا ہے جس میں یہ عورت مقید تھی منصور اس عورت کے ساتھ مع لشکر واپس آیا اور اس کو اس کے خاندان کے پاس بھجوا دیا۔ یہ تاریخ کا ایک دلکش باب ہے۔ کہ منصور نے ایک عورت کی وجہ سے جہاد کیا اور لشکر لے کر دشمن کے ملک تک پہونچا اور اس عورت کو آزاد کرا کر اس کے گھر پہنچا دیا۔

اسی انداز کا ایک قصہ اور ہے۔ منصور ایک غزوہ سے لوٹا تھا کہ ایک عورت نے کہا کہ اے منصور میری پکار سنو تم تو اپنے عیش میں ہو اور میں اپنا وقت رونے میں گذارتی ہوں منصور نے اس کا حال دریافت کیا تب اس نے سنایا کہ اس کا ایک بیٹا دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہے اور زندگی اس کے لیے اجیرن ہو گئی ہے۔ منصور نے اس کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی فوراً فوج لے کر نکلا اس شہر پر حملہ کیا جہاں اس عورت کا بیٹا تھا۔ اور سارے قیدیوں کو چھڑا لیا۔ ان میں اس عورت کا بیٹا بھی تھا۔ اس طرح منصور نے دو عورتوں کی داد و فریادرسی اور ان کے لیے جہاد کیا اور ان دونوں قیدیوں

منصور اموی خلیفہ ھشام اندلس کا حاجب و وزیر تھا مگر اس نے خلیفہ کو معطل کر کے خود حکمراں بن گیا۔

کو چھڑا کر ان کے گھر پہونچا دیا۔

اس کی احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ اکثر راتوں کو سوتا نہ تھا۔ ایک رات کو اس کے خادم شعلہ نے کہا آپ نے بیداری اتنی کی ہے کہ اس کا اثر اعصاب پر پڑ جائے گا اس پر منصور نے جواب دیا!

یا شُعلۃُ: حارس الدنیا لا ینام اذا
نامت الرعیّۃ لو استوطیت لی لما
کان فی هذا البلد عین نائمة

اے شعلہ، دنیا کی نگہبانی کرنے والا نہیں سوتا جب کہ رعیت سوتی ہے۔ اگر میں اپنی نیند پوری کروں تو اس شہر میں کوئی آنکھ سو نہیں سکتی۔

منصور کا تقویٰ

منصور کا تقویٰ:- منصور نہایت متقی شخص تھا۔ ایک بار وہ صلوٰۃ استسقاء میں حاضر ہوا۔ اس کی نماز کی جگہ پر پہلے سے عمدہ قسم کا مصلیٰ بچھا دیا گیا تھا۔ وہ پہونچا اور اس نے مصلیٰ کو الگ کر دیا اور زمین پر نماز ادا کی اور اس کے چہرے سے آنسو ٹپک رہے تھے وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا تھا۔ وعظ سن کر نصیحت قبول کرتا تھا۔ شراب سے توبہ کر لیا تھا۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کا ایک نسخہ نقل کیا تھا۔ اس کو اپنے سفروں میں ساتھ رکھتا تھا اور اس سے برکت حاصل کرتا تھا۔ اس کی اصل تمنا یہ تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اس کا انتقال ہو۔ اس نے ۵۰ سے اوپر جہاد کیے اور ہر جہاد میں اس کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی سے نوازا، کسی جہاد میں کبھی اس کو شکست نہیں ہوئی۔ یہ جہاد ان عیسائی حکمرانوں سے اس نے کیا جو اندلس میں موجود تھے۔ اس نے سب سے جزیہ وصول کیا۔

غبارِ راہِ جہاد

اس نے شروع سے اس امر کا اہتمام کیا کہ جو غبار اس کے چہرہ پر راہ جہاد میں جمع ہو جائے اس کو پونچھ پونچھ کر اکٹھا کرے۔ خادم ہر منزل پر غبار چہرہ سے جمع کر لیا کرتے تھے یہ غبارِ جہاد ایک تھیلی بھر کر جمع ہو گیا جہاں وہ جاتا۔ یہ تھیلی اور کفن ساتھ جاتا۔ ظاہر ہے کہ جہاد میں کوئی یقین تو نہیں ہوتا کہ انسان لوٹ کر سلامت ہی آئے گا شہادت کا پورا امکان ہوتا ہے۔ وہ غبار جہاد کی یہ تھیلی اور کفن ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، پوری عمر مستعار اس نے جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کر دی اور اس نے وصیت کی کہ یہ غبار اس کے کفن پر چھڑک دیا جائے تاکہ شاید اس کی برکت سے رحمتِ الٰہی کا فیضان ہو اور اس کی رحمت کو جوش آ جائے اور اس بندہ کی مغفرت ہو جائے۔ اس کی یہ تمنا تھی کہ اس کی موت راہِ جہاد میں آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ عیسائی سلطنت قشتالہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلا طبیعت بہت خراب تھی۔ حملہ کامیاب رہا۔ [illegible] شہروں کو اس نے فتح کیا واپسی میں حالت زیادہ خراب ہو گئی، اور اس کو یقین ہو گیا کہ آخری منزل قریب ہے اس نے جو کفن ساتھ لیا تھا وہ اس مال سے تھا جو اس کی لڑکیوں نے سوت کات کر حاصل کیا تھا اور کچھ اس مال سے تھا جو اس کی جائیداد سے حاصل ہوا تھا جو ان کو اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔

اس نے [illegible] کہا کہ کاش میں ان حبشی غلاموں کی طرح ہوتا جو میری چارپائی اٹھائے ہوئے ہیں نہ ان کو کسی سلطنت کا حساب دینا ہے اور نہ ان سے کوئی بازپرس ہوتی ہے۔ اس نے کہا میری حکومت میں ۲۰ ہزار غلام ہیں مگر ان غلاموں سے بھی اپنے کو بدتر پاتا ہوں۔ اگر اتنا بڑا فرمانروا کہتا ہے کہ اس کے حبشی غلام جو اس کی چاکری کرتے ہیں اس سے بہتر ہیں کہ ان کو ملک و ملت کا آخرت میں حساب نہیں دینا پڑے گا۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک بار یہ کہا کہ کاش میرا معاملہ برابر کا ہو جائے کہ مجھے نہ عذاب ملے اور نہ ثواب نہ مجھ سے پورا حساب ہوگا اور نہ مجھ کو اجر دیا جائے گا۔

جو تحفہ خدا کے حضور میں یہ بادشاہ لے کر گیا۔ وہ بڑا قیمتی تھا اور جہاد فی سبیل اللہ کیا اور ساری زندگی کی کمائی ہوئی پاک و صاف حلال کمائی سے خریدا ہوا کفن وہ زندگی جس کو اس نے عیسائی بادشاہوں سے جہاد میں صرف کر دی مگر کسی غزوہ میں بھی اس کو شکست نہیں ہوئی۔ پورا ملک 'مال و دولت' سے پُر تھا۔ اور عیسائی غلاموں اور لونڈیوں سے بھر گیا تھا۔ وہ جہاد خالص نیت سے کرتا تھا اور اسلام پر اس کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ دو بار جہاد اس نے دو عورتوں کی فریاد پر کیا۔ یہ عظیم حکمراں دربار خداوندی میں غبارِ جہاد لے کر حاضر ہوتا ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی۔

دُعائے مغفرت

● عبید الرحمٰن متعلم علیا اولیٰ شریعہ کے ماموں محمد علی کا تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم بڑے خوش اخلاق اور دیندار آدمی تھے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مسلم بچوں کی تعلیم

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلم بستیوں میں دینی مکاتب کا چلانا نہایت ضروری ہے اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمانوں میں یہ جذبہ بھی ہے اور بہت سے مکاتب کام کر رہے ہیں ان کے نظام کو درست کرنے اور بہتر بنانے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر ہارون رشید صاحب نے ایک رہنما مضمون تیار کیا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے خاص طور سے مکاتب چلانے والے حضرات کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ ——— (ادارہ)

جو انسان پیدا ہوا وہ اپنی پائی ہوئی عمر ضرور پوری کرے گا لیکن علم کے بغیر نہ تو وہ مہذب بن سکے گا نہ آرام دہ معاشرتی زندگی گزار سکے گا، پہلے زمانہ میں باقاعدہ علم سیکھے بغیر بھی کام چل جاتا تھا لیکن اب تو دنیا اتنی آگے جا چکی ہے کہ علم کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہے بقول خواجہ حالی کے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہنگر نہ بازی گر نہ سوداگر

اب سماج میں زندگی گذارنے کے لیے سماجی علوم سے واقفیت از حد ضروری ہے یہ علوم چاہے آدمی معاشرہ سے سیکھے اور چاہے مدرسہ میں پڑھے، ایک گاؤں یا ایک جگہ رہنے والوں پر ایک دوسرے کے کیا حقوق ہیں، گاؤں پنچایت کیا ہے، پردھان کیا ہے، ڈاک خانہ، تھانہ، بینک، اسپتال وغیرہ کیا ہیں، ریل، موٹر، ہوائی جہاز کیوں ہیں ان کا انتظام کس طرح ہے، عوام ان سے کس طرح فائدہ اٹھاتے اور اٹھا سکتے ہیں، انسان کی ضرورت کی چیزیں کہاں کہاں بنتی اور کہاں بکتی ہیں، بجلی کے پنکھے، روشنی، ایرکنڈیشن، ٹیلی فون، ٹیلیکس، ٹیلی پرنٹر، فیکس، وائرلیس، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو، فیڈیو، ٹی وی وغیرہ کیا ہیں ان سب چیزوں کے تعارف کے لئے جغرافیہ، تاریخ، حساب اور سائنس کی تعلیم ضروری ہے، ساتھ ہی انسان کو حلال روزی حاصل کرنے کے لئے کسی جائز پیشہ کی بھی تربیت لینا ہے۔

یہ دنیاوی علوم ہر انسان کے لئے ضروری ہیں چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اسی لئے دنیا کی حکومتیں اپنے اپنے ملک کے نونہالوں کے لئے ان علوم کے حصول کی سہولتیں مہیا کرتی ہیں، مسلمان اگر اپنے بچوں کو ان دنیوی علوم سے محروم رکھیں گے تو بڑے خسارہ میں رہیں گے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حکومت کی طرف سے دی جانے والی اس سہولت سے اپنے بچوں کو محروم نہ کریں، اور جب حکومت خود ان علوم کے سکھانے کا بار اٹھانا اپنے اوپر لازم قرار دیتی ہے تو مسلمان خود اس بار کو بے سبب کیوں اٹھانے کا ارادہ کریں۔ ہاں معقول سبب ہو تو اور بات ہے۔

اس مقصد کے لئے ملک میں بہت سے پرائیویٹ ادارے بھی ہیں جو تجارتی بنیادوں پر چلائے جا رہے ہیں اور وہ پوری طرح کامیاب ہیں سرکاری اسکول اتنی تعداد میں نہیں ہیں کہ ملک کا ہر بچہ ان میں تعلیم پا سکے، دوسرے ان سرکاری مدارس کا نظم بھی کچھ اچھا نہیں ہے، کہیں عمارت ناکافی، کہیں فرنیچر ناکافی، کہیں مدرسین کلاس ہی نہیں لیتے، کورس پورا نہیں کراتے کہیں طلبہ کی معاشرت بہت ہی پست ان ہی وجوہ سے تجارتی بنیادوں پر چلائے جانے والے پرائیویٹ اسکول صد فیصد کامیاب ہیں۔

دین کا علم

ضروریات دین کا علم دنیوی علوم سے کہیں زیادہ اہم ہے، دنیوی علوم نہ حاصل ہونے پر صرف یہ نقصان ہوگا کہ ایک انسان اس دنیا میں دنیوی لحاظ سے مہذب اور بہتر معاشرتی زندگی نہ گزار سکے گا لیکن دینی علم نہ ہونے سے اس دنیا میں بھی پرسکون زندگی نہ گزار سکے گا اور مرنے کے بعد جو ہمیشہ والی زندگی شروع ہوگی وہ تو تباہ ہو کر رہ جائے گی پھر اس کے پاس رہ ہی کیا جائے گا مگر یہ بات وہی مانے گا جس کا آخرت کی زندگی پر ایمان ہے، ہم سب مسلمان ہیں ہمارا آخرت کی زندگی پر بھرپور ایمان ہے غیر مسلم حکومتیں ہمارے دین اور دینی علوم کی حفاظت و اشاعت کا کام نہیں کر سکتیں یہ کام ہم کو خود کرنا ہوگا اور الحمد للہ ہم اسے اپنی بساط بھر کر رہے ہیں۔

جو گھرانے دین پر چلتے ہیں اور دین کا علم رکھتے ہیں وہ اپنی اولاد کو گھر میں دین سکھانے کا نظم کرتے ہیں لیکن یہ گھریلو تعلیم بس جزوی طور پر ہو پاتی ہے اس کام کے لئے افراد ملت نے دینی مدرسے قائم کئے ہیں اور اب تو بفضلہ تعالیٰ شہر، دیہات، قصبات بلکہ گاؤں گاؤں دینی مدارس کام کر رہے ہیں اور یہ سارے مدرسے حسبۃً للہ کام کر رہے ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں کچھ بے اعتدالیاں بھی ہیں ان سطور میں ان ہی کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔

ضرورت سے زیادہ مدرسے اور ان پر کنٹرول

بعض جگہوں پر تو یہ مدارس ضرورت سے زیادہ ہیں، ایسے کہ ہر مدرسہ ضرورت بھر کے طلبہ نہیں مہیا کر پاتا، یہ صورت حال ابتدائی مدرسوں میں کم لیکن متوسط میں زیادہ ہے جس میں ابتدائی عربی زبان بھی شروع کروا دی جاتی ہے، چاہئے کہ ایسے مدرسوں میں عربی درجات بند کر کے وہاں کے عربی پڑھنے والے طلبہ کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے جہاں عربی سیکھنے والے طلبہ بھی زیادہ ہوں اور عربی تعلیم کا معقول انتظام بھی ہو۔

مدرسوں کی کمی یا نایابی اور ان کی فراہمی

بعض مقامات پر دینی مدرسے مسلم بچوں کی تعداد کے لحاظ سے کافی کم ہیں مسلم بچے خاصے موجود ہیں مگر کوئی دینی مدرسہ نہیں، پس قوم کے لوگوں کو چاہئے کہ جہاں بھی کم سے کم تیس مسلم بچے مہیا ہوں وہاں ایک دینی مدرسہ کھول کر کسی عالم یا حافظ یا اچھے ناظرہ خواں مسائل دینیہ سے واقف اردو داں کی خدمات حاصل کریں، اسی لحاظ سے زیادہ بچوں پر ایک سے زیادہ مدرس والا مدرسہ یا ایک سے زیادہ مدرسے حسب ضرورت و مصلحت کھولے جائیں۔

ناقص نصاب اور اس کی اصلاح

بہت سے دینی مدارس ایسے ہیں جن میں قرآن مجید کا ناظرہ کا بھی معقول انتظام نہیں ہوتا، پڑھانے والے صاحب خود ہی قرآن مجید صحیح نہیں پڑھ پاتے اگرچہ انتظام نہ ہو سکنے تک اسے برداشت کرنا ہی مصلحت ہے لیکن جتنی جلدی ممکن ہو اس عیب کو دور کیا جائے، سوال یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی دینی مدارس میں کیا پڑھایا جائے، اس سلسلہ میں بہت سے علم والوں کی رائے یہ ہے کہ اس کے نصاب میں ابتدائی معیار کی دین و دنیا دونوں کی ضروریات کا بھرپور لحاظ ہو، ایک طرف قرآن مجید کا ناظرہ مع آخری پارہ حفظ، عقائد اسلامی، عبادات، اخلاق، خلفائے راشدین کے دور کی مختصر تاریخ اسلامی اور روز مرہ کام آنے والے معاملات کی تعلیم ہو، دینیات کے عملی حصہ کی تربیت ہو تو دوسری طرف حساب، جغرافیہ، عام معلومات، ابتدائی سائنس اور سماجی علوم کی بھی تعلیم ہو، جن کی تقسیم ۱ بہ یا ۵ بہ ۵ منٹ کے تعلیمی گھنٹوں پر اس طرح کی جا سکتی ہے۔

(۱) قرآن مجید پڑھنے کے لئے کوئی عربی قاعدہ اور بعض سورتوں کا زبانی یاد کرنا۔ (۲) کلمۂ طیبہ، کلمۂ شہادت مع معانی اور بعض اذکار نماز کا زبانی یاد کرانا، وضو اور نماز کا طریقہ سکھانا۔ (۳) سماجی علوم، تربیتی علوم اور ادب و سلیقہ پر بات چیت (۴) گنتی، پہاڑہ جوڑ گھٹاؤ وغیرہ۔ (۵) اردو پڑھنا (۶) اردو لکھنا۔ (۷) ورزش و تفریح۔ یہ تقسیم درجہ اطفال و اوّل میں ہو، دوم میں آٹھ تعلیمی گھنٹے کر کے قرآن مجید کے دو گھنٹے کر دیئے جائیں اور کلمہ والا گھنٹہ اب دینیات کے نام سے رکھا جائے، سوم میں اردو کے لکھنے کے گھنٹہ کو کم کر دیں اور اردو لکھنے کا کام اردو پڑھنے والے گھنٹہ ہی میں ہو اور اس بچے ہوئے گھنٹہ میں ہندی پڑھائی جائے۔ چوتھے درجے میں سارے مضامین اسی طرح رہیں البتہ ورزش و تفریح والا گھنٹہ انگریزی پڑھانے میں لے لیا جائے پنجم میں اسی طرح سارے مضامین کے گھنٹے ہوں۔ چوتھے گھنٹے کے بعد ان بچوں کو حسب گنجائش وقفہ (انٹرول) ضرور دیا جائے، اس تقسیم کو اس نقشہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

نظام الساعات درجات ابتدائیہ

درجات	پہلا گھنٹہ	دوسرا گھنٹہ	تیسرا گھنٹہ	چوتھا گھنٹہ	وقفہ	پانچواں گھنٹہ	چھٹا گھنٹہ	ساتواں گھنٹہ	آٹھواں گھنٹہ
پنجم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	حساب		ہندی	سماجی علوم اور سائنس	اردو	انگریزی
چہارم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	حساب		ہندی	سماجی علوم اور سائنس	اردو	انگریزی
سوم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	حساب		ہندی	ورزش اور کھیل	اردو	سماجی علوم اور سائنس
دوم	قرآن مجید	قرآن مجید	دینیات	پہاڑہ اور حساب		اردو پڑھنا	اردو لکھنا	ورزش اور کھیل	سماجی و تربیتی علوم پر بات چیت
اول	عربی قاعدہ و حفظ سور	کلمے اذکار نماز وضو اور نماز کی مشق	سماجی و تربیتی علوم پر بات چیت	گنتی پہاڑہ جوڑ گھٹاؤ		اردو پڑھنا	اردو لکھنا	ورزش اور کھیل	
اطفال	عربی قاعدہ حفظ الحمد اور قل ھو اللہ	کلمہ اور بعض اذکار نماز	سماجی و تربیتی علوم ادب و سلیقہ پر بات چیت	گنتی پہاڑہ		اردو پڑھنا	اردو لکھنا	ورزش اور کھیل	

یہ نقشہ بڑے سائز پر بنا کر واضح لکھا جائے، ہر مضمون کے نیچے استاد کے نام کا اشاریہ ہو ضرورت کے لحاظ سے مضامین گھنٹوں میں آگے پیچھے کر لئے جائیں، ہر مضمون کے لئے درجہ وار کتابوں کے تعین کے ساتھ ایک الگ نقشہ تیار کیا جائے بہتر ہوگا کہ ہر درجہ کا ایک واضح نقشہ ہو ان نقشوں کو آپ نصاب کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے ہم دینی مدارس میں دنیوی علوم کا بار کیوں برداشت کریں اس سلسلہ میں یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر ہم کل وقتی مدرسہ کھولیں گے اور اس میں ہندی، حساب وغیرہ نہ پڑھائیں گے تو اول تو اندیشہ ہے کہ حکومت وقت اس میں رکاوٹ ڈالے اور مدرسہ ایک جائز اور مفید چیز کو چھوڑ کر مشکلات میں مبتلا ہو، دوسرے یہ کہ اگر بچہ پرائمری تعلیم کے بعد سرکاری اسکول میں پڑھنا چاہتا ہو جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو ان مضامین کے نہ ہونے کے سبب اس کو داخلہ نہ مل سکے گا۔ تیسرے یہ کہ اگر بچہ پرائمری کے بعد اپنی تعلیم ختم کر دیتا ہے یا دینی لائن کی تعلیم کی تکمیل میں لگ جاتا ہے تو یہی نہیں کہ یہ بچہ ساری عمر ان علوم کی کمی کو محسوس کرے گا بلکہ مشکلات سے دوچار ہوتا رہے گا لہٰذا دینی مدارس میں پرائمری تک ان علوم کو بھی لازمی قرار دینا چاہئے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں ہم سرکاری مدارس میں پڑھنے والے مسلم بچوں کو صرف قرآن مجید اور دینیات پڑھانے کے لئے صباحی و شبینہ یا کسی بھی مناسب وقت میں جز وقتی مدرسہ کھولیں تو یہ دنیوی علوم نہ پڑھائیں، لیکن اگر سرکاری اسکولوں کے کسی مضمون میں منافیِ دین باتیں پڑھائی جاتی ہیں یا تاریخی شخصیات پر الزامات گڑھ کر ان سے نفرت دلایا جاتا ہے گو ان جز وقتی مدرسوں میں ان چیزوں کے ازالہ کے لئے بھی کوئی ٹھوس اور سنجیدہ کوشش ہونا چاہئے۔ دینی مدارس میں یہ دنیوی علوم متوسط تک۔ نظام الساعات میں گنجائش کے لحاظ سے پڑھائے جا سکتے ہیں لیکن درجاتِ عالیہ میں ان کو شامل کرنا دینی علوم کو نقصان پہنچانا ہوگا۔ ہاں اگر افرادِ ملت اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور وسعت رکھتے ہیں تو ایسے مدارس قائم کریں جن میں دنیوی علوم یعنی سائنس، انجینیرنگ اور ڈاکٹری وغیرہ کی تعلیم کا معقول انتظام ہو اور ساتھ ہی دینیات کی تعلیم و تربیت کا آخری درجات تک نظم ہو لیکن ان مدارس میں مسلم سائنس داں، مسلم انجینیر اور مسلم ڈاکٹر وغیرہ بنانے کی کوشش ہو مفسر، محدث اور مفتی بنانے کی غلطی نہ کی جائے۔

بعض بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

بعض حضرات اپنے بچوں کو کسی سرکاری اسکول یا پرائیویٹ نرسری اسکول یا انگلش میڈیم اسکول وغیرہ میں داخل کر دیتے ہیں بچہ وہاں اچھا چل پڑتا ہے، پھر اچانک خود سے یا کسی کے سمجھانے سے بچہ کو وہاں سے نکال کر کسی دینی مدرسہ میں داخل کرتے ہیں اس حال میں کہ وہاں کا کوئی مرحلہ طالب علم پورا نہیں کر سکا تھا، ساتھ ہی وہ دینی مدارس کے دو اہم مضمون اردو اور قرآن مجید ناظرہ میں نِل ہوتا ہے اس لئے اس کو دینی مدرسہ میں پہلے درجہ سے چلنا پڑتا ہے جس کا نفسیاتی اثر بچہ پر یہ پڑتا ہے کہ وہ تعلیم سے بددل ہو جاتا ہے اور کبھی تو ذہنی طور پر ڈل ہو جاتا ہے ایسے بچوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی دینی تعلیم کے لئے صبح و شام کے اوقات میں نظم کیا جائے چاہے یہ نظم ٹیوٹر کے ذریعہ انفرادی ہو اور چاہے صباحی و شبینہ درجات کا نظم کرکے اجتماعی ہو۔ اور چاہے گھر کے افراد یہ ذمہ داری خود لیں لیکن جو کچھ بھی ہو منظم ہو اور ثبات کے ساتھ ہو۔

درس کی جگہوں پر توجہ اس میں شک نہیں کہ اس وقت بعض مدرسوں کے پاس شاندار عمارتیں ہیں مگر طلبہ ندارد، لیکن بہت سے مدرسے ایسے بھی ہیں جن کی عمارتیں ناکافی ہیں، ایسے بھی مدرسے موجود ہیں جن میں معمولی چھپر کے سوا کچھ نہیں، بہت سے مدرسے تو تنگ مسجدوں میں ہیں، ان دینی مدارس کے مقابلہ پرائیویٹ اسکولوں کی شاندار اور تمام سہولیات والی عمارتیں ان دینی مدارس کے طلبہ کو احساس کمتری میں مبتلا کرتی ہیں اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، خرچ کرنے والوں کو خود کچھ محنت کرنا چاہئے اور زیادہ ضرورت والوں کو مقدم کرنا چاہئے، اول تو اس توجہ ہی کی امید کم ہے اور اگر توجہ ہو بھی جائے تب بھی عمارتوں اور جگہ کی کمی باقی رہے گی، لہٰذا اس احساس کمتری کو دور کرنے کے لئے ہم کو اصول و ضوابط اعلیٰ اخلاق اور استغنا اپنانا ہوگا اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ صاحب اخلاق کبھی بھی صاحب مال کے مقابلہ میں اپنے کو کمتر تصور نہیں کرتا اور نہ مال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔

اصلاح کا طریقہ

جگہ موجود مگر عمارت نہیں ہے تو اسے سستے سے سستے میٹریل سے منظم کریں، مثلاً پھوس کا چھپر ڈالیں، ٹٹیوں سے گھیر دیں، صاف ستھری ٹاٹ پٹیاں بچھائیں، صفائی ستھرائی کا خوب خیال رکھیں، یہ کیا کہ میلی لنگی، میلے پائجامے، میلے کرتے پہنے میلے کچیلے لڑکے تربتر بیٹھے چلا چلا کر سبق یاد کر رہے ہیں اور گندی لنگی، میلا کرتا، تیل بھری ٹوپی پہنے منہ میں پان دبائے مولوی صاحب ڈانٹ ڈانٹ کر پڑھا رہے ہیں، ظاہر ہے ایک مہذب آدمی اپنے بچہ کو اس مجمع میں بٹھلانے کے لئے بخوشی تو نہ تیار ہوگا، تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے میلے کپڑے اور میلے لڑکے پانی کی مدد سے صاف ہو سکتے ہیں، بچوں کو نظم سے بٹھایا جا سکتا ہے اور نظم و ضبط سے پڑھایا جا سکتا ہے،

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

مسلمانوں کی دو ذمہ داریاں ہیں

حضرت مولانا الشاہ محمد ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی

(۲)

نصیحت آموز واقعہ

اس سلسلہ میں ایک واقعہ اور یاد آیا۔ چونکہ اس جلسہ میں طلباء کرام اور حضرات مدرسین بھی تشریف فرما ہیں ان سب کے لئے اس میں عبرت و نصیحت کی چیز ہے کہ حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی محدث تھے۔ ان کے دو شاگرد تھے۔ ایک نواب قطب الدین صاحب دوسرے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی۔ متقی دونوں تھے لیکن مولانا کاندھلوی کا تقویٰ مشہور تھا۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے اپنے استاذ حضرت شاہ اسحاق صاحب اور علمائے کرام کی دعوت کی۔ اسی کے ساتھ اپنے ساتھی مولانا مظفر حسین صاحب کو بھی دعوت دی۔ تو انھوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ میں تمہاری دعوت قبول نہیں کرتا۔ چونکہ مولانا نواب صاحب کے ساتھ تھے اسی لئے انھوں نے اس واقعہ کی اطلاع شاہ اسحاق صاحب سے کر دی کہ حضرت! سب ساتھیوں نے دعوت قبول کر لی مگر بھائی مظفر حسین نے دعوت قبول نہیں کی، جب حضرت کے علم میں یہ بات آئی تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا کو بلاؤ تاکہ معلوم کیا جائے کہ کیا بات ہے؟ چنانچہ مولانا خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا میاں مظفر حسین! کیا نواب صاحب کی آمدنی میں کچھ شبہ ہے کہ تم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی؟ مولانا نے کہا حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں۔ پھر شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں نہیں دعوت قبول کرتے؟ کہا حضرت جی نہیں چاہتا۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے پوچھا جی کیوں نہیں چاہتا۔ اس کو تو ظاہر کرو؟ اس پر مولانا نے کہا حضرت! میرے علم میں ہے کہ نواب صاحب مقروض ہیں۔ نواب تو پھر بھی نواب ہے اس کی حالت چاہے گر ہی جائے ایسی حالت میں بھی لوگوں کو مدعو کیا ہے تو دعوت پُر تکلف ہوگی۔ مان لو اس وقت کے لحاظ سے پانچ سو خرچ ہوئے تو آج کل کے لحاظ سے پانچ ہزار کے برابر ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنی رقم جو دعوت میں خرچ ہوگی وہ ضرورت سے زائد بھی ہوئی ہے۔ جب ضرورت سے زائد ہے تو اس کو قرض کی ادائیگی میں دینا چاہئے اب دعوت کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے "مطل الغنی ظلم" کہ جس کو قرض کے ادا کرنے پر قدرت استطاعت ہو پھر بھی وہ بغیر عذر کے تاخیر کرے تو یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہے۔ اس دعوت کی وجہ سے چونکہ قرض کی ادائیگی میں دیر ہوگی اسی لئے مجھے اس دعوت کے قبول کرنے میں کراہت معلوم ہوتی ہے۔ جب شاہ جی نے اس بات کو سنا تو نواب صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ مقروض ہیں؟۔ انھوں نے کہا کہ جی ہاں!۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں مظفر حسین سلّمہٗ جو کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ اس لئے یہ رقم قرض میں دے دیجئے دعوت نہ کیجئے۔ یہ تھے ہمارے اکابر یہ تھی ان کی شان!۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مد نظر تو مرضیِ جاناناں چاہیے

اس سے ہم سب کو سبق لینا چاہئے کہ ایک طرف استاذ۔ ان کی کیا شان تھی۔ کیسے علم و فضل والے تھے مگر جہاں دین کا معاملہ آگیا سنت کا معاملہ آگیا پھر کیا کیا؟ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس کی بالکل کھلی ہوئی مثال ہے کہ افسر نے ایک حکم دے دیا اب اس کے خلاف چھوٹے افسر حکم دیں تو کس پر عمل کریں گے؟۔ کس کے حکم کی تعمیل کریں گے؟ یہی معاملہ یہاں بھی ہونا چاہئے کہ والدین اعزہ و اقربا ایک کام کا حکم دیتے ہیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کام کا حکم دیں تو کس کی تعمیل کی جائے گی؟ والدین کو اور دیگر لوگوں کو خوش کریں گے یا اللہ اور رسول کی اطاعت کرکے ان کو خوش کریں گے؟ وہ شخص قابل تعریف اور قابل فخر ہے کہ جو کسی کی پرواہ نہیں کرتا صرف اللہ کے حکم کو بجا لاتا ہے۔ قابل تعریف ہے وہ جو خاندان اور برادری کے رسم و رواج کے خلاف سنت کو اپناتا ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

"من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد"۔

صالح بننے کا طریقہ

بات یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم میں سے ہر شخص صالح اور نیک بننا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنایا جائے اس کو اختیار کیا جائے۔ اس کی سہل صورت یہ ہے کہ اپنی اپنی مسجدوں میں کسی ایک نماز کے بعد ایک سنت سنا دی جائے، بتلا دی جائے اسی طرح

مدرسوں میں بچوں کو ایک ایک سنت تبلادی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اپنے گھروں میں جاکر اپنے گھر والوں کو بھی تبلادیں۔ اسی طرح دھیرے دھیرے سنتوں کا علم ہوگا سنتیں زندہ ہوں گی۔ اس پر عمل ہونا شروع ہو جائے گا۔ قطرہ قطرہ دریا ہوجاتا ہے۔ اسی لئے پہلے اپنی مسجدوں کو سُنّی بناؤ۔ اپنے مدرسوں کو سُنّی بناؤ۔ مسجد کی جو سنتیں ہیں ان پر عمل شروع کرو۔ مدرسے میں سنت کا مذاکرہ اور بچوں کو یاد کرانے کا سلسلہ شروع کرو۔

مساجد و مدارس کو سُنّی بنائیں

آج ہماری اذانیں اور نماز سنت کے موافق نہیں، اذان سنت کے موافق سننے میں نہیں آتی۔ سات برس ہوگئے جہاں کہیں جاتا ہوں اذان غور سے سنتا ہوں، اس مدت میں مختلف جگہوں پر گیا۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اور ہندوستان کے باہر بھی مگر ایک جگہ لکھنؤ میں اذان صحیح ملی اور دوسری اذان یہاں جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں سنت کے موافق اذان ملی، یہی حال نماز کا ہے نماز سنت کے مطابق نہیں، جو جس فقہ پر عمل کرتا ہو اس فقہ میں نماز کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے موافق نماز نادر ہے، اہل علم تو پڑھتے پڑھاتے ہیں سیکھتے سکھاتے ہیں ان کے علاوہ جو اور حضرات ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی نے نماز سیکھی ہے؟ کسی نے اگر سیکھی ہو تو بتلائے کہ ہم نے فلاں عالم سے نماز پڑھنا سیکھا ہے۔ میں نے اس سے بڑے بڑے مجمع میں جہاں اہل صلاح تھے ان سے سوال کیا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا کسی سیکھا ہے کہ قیام کیسے کریں، ہاتھ کیسے باندھیں، رکوع کیسے کریں، سجدہ کیسے کریں، قعدہ کیسے کریں؟ جب نماز کا یہ معاملہ ہے تو پھر ختنہ، عقیقہ، شادی غمی وغیرہ میں کس طرح سنت پر عمل ہوتا ہوگا؟ پھر نکاح وطلاق، تجارت، خرید و فروخت، معاملات یہ سب چیزیں سنت کے مطابق کیسے ہوتی ہوں گی؟

اہتمام سنّت کیا جائے

ایک طرف نماز کے فضائل ہیں تو دوسری طرف تارک نماز کے لئے وعیدیں ہیں۔ اسی طرح تاجر کے لئے بھی کتنے فضائل ہیں، فرمایا گیا۔

" التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء" (ترمذی بحوالہ مشکوۃ ۲۴۳،۲)

یہ فضیلت اس تاجر کے لئے ہے جو سچا ہو امانتدار ہو اس کا حشر انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا، جس طرح ہماری نماز سنت کے موافق ہو، ہم نماز سنت کے موافق پڑھیں گے تو مقبول ہوگی، اسی طرح اگر ہماری تجارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہوگی آپ کی سنت کے مطابق ہوگی تو ایسا تاجر صادق اور امین ہوگا اور اس کا حشر عمدہ ہوگا اور اس کے خلاف ہو تو پھر معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ اس کا حشر فجار کے ساتھ ہوگا اس لئے ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام اور اس پر عمل کیا جائے۔

تین سہل اور اہم سنتیں

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کئے دیتا ہوں کہ تین سنتیں ایسی ہیں جو عمل کرنے کے لحاظ سے تو سہل اور آسان ہیں لیکن ہیں وہ بڑی اہم کہ ان پر عمل کرنے سے خود ان کی برکات کا مشاہدہ ہوگا۔ سنتوں کا ذوق و شوق پیدا ہوگا اور سنتوں پر عمل کرنا آسان ہوگا۔ ان تین سہل سنتوں میں پہلی یہ ہے کہ سلام کرنے میں کثرت و سبقت۔ کثرت کا مطلب یہ ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرے، سلام کرنے میں عموماً لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ سلام کا ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر نہیں کرتے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ السلامُ علیکم کے بجائے سلام علیکم کہہ لیتے ہیں اس لئے جب سلام کرے تو اس کے ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر کرکے پڑھے۔ یعنی حرکت کو معروف ادا کرے۔ دوسری سہل سنت یہ ہے کہ ہر بڑھیا کام اور جگہ میں داہنی جانب کو مقدم (آگے) کرے اور ہر گھٹیا کام اور جگہ میں بائیں جانب کو مقدم (آگے) کرے۔ مثلاً مسجد میں جانا ہے وہ بڑھیا جگہ ہے اس لئے پہلے داہنا پیر داخل کرے، مسجد سے نکلنا ہے وہ اندر کے لحاظ سے گھٹیا جگہ ہے اس لئے بایاں پیر پہلے نکالیں گے، کپڑا پہنیں گے تو داہنی طرف سے اور اتاریں گے تو بائیں طرف سے۔ بیت الخلاء جائیں گے تو پہلے بایاں پیر رکھیں گے وہاں سے نکلیں گے تو پہلے داہنا پیر نکالیں گے۔ یہ دوسری سنت ہوئی داہنی، بائیں اور گھٹیا بڑھیا کے لحاظ سے۔ تیسری سہل سنت یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے۔ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں نماز کے فوراً بعد اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں سنتوں کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے، دن بھر میں ایک تسبیح کلمہ طیبہ، ایک تسبیح درود شریف، ایک تسبیح استغفار کی پڑھے اس نیت کے ساتھ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے۔ اور غیر اللہ کی محبت گھٹے اور متفرق اوقات میں بغیر کسی تعداد کے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ کہے۔ اللہ اکبر پڑھے۔ چاہے ملاکر پڑھے، چاہے الگ الگ پڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ اوپر چڑھے تو اللہ اکبر پڑھے نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے۔ اور برابر زمین پر چلے تو لا الٰہ الا اللہ کہے۔ تیسری سنت یہ ہوئی کہ ذکر اللہ کی کثرت رکھے۔ یہ تین سہل اور اہم سنتیں ہوئیں کہ ان کو اپنے یہاں کی مسجدوں اور مدرسوں میں سناؤ اور یاد کراؤ، اس کے موافق عمل کرو۔ ہمارے یہاں مدرسہ کی مسجد میں عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر دینی مذاکرہ ہوتا ہے اس میں ہر روز ان سنن ثلاثہ کو سنانے کا معمول ہے۔ پھر اس کے بعد اور معمولات ہوتے ہیں۔ روزانہ سنانے کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ ہر ایک کو یاد ہوگئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی یاد ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ سنن ثلاثہ سناؤ تو وہ سناتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

دارالعلوم ندوۃ العلماء

ایک تاثر!

ڈاکٹر صفیہ نسیم

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تونے طلوعِ آفتاب (اقبال)

آج سے تقریباً بیس سال پہلے تعمیر حیات کے ایک شمارہ میں والد محترم جناب سید محمد ٹونکی صاحب مرحوم پر عمیر الصدیق دریابادی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جو میری بھی نظر سے گزرا۔ مضمون اتنا پُر اثر تھا کہ میرے اندر مضمون نگار سے ملنے کی خواہش ہوئی لہٰذا قدم خود بخود ہی ندوہ کی طرف بڑھ گئے۔ دریافت کرنے پر ایک طالب علم نے میری رہنمائی کی اور اس طرح عمیر صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ بات چیت تقریباً پندرہ منٹ تک چلتی رہی۔ موضوع گفتگو والد صاحب سے ہوکر ندوہ کے شب و روز اور اس کی علمی سرگرمیوں کے گرد گھومتا ہوا ختم ہوگیا اور میں گھر آگئی۔ اس گفتگو اور ندوہ کے ماحول نے دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر چھوڑا کہ یہ خواہش ہوئی کہ کاش میں بھی علم و ادب کے اس کعبہ کا طواف کرسکتی۔

ندوہ میں یہ میرا پہلا داخلہ تھا۔ والد صاحب لکھنؤ میں اپنے قیام کے دوران روز ہی ندوہ تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً روز ہی شام کو ندوہ کے کچھ طلباء ان سے ملنے گھر آیا کرتے۔ مختلف موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا اور میں دوسرے کمرے میں بیٹھ کر بڑے انہماک سے ان کی گفتگو سنا کرتی اور سوچا کرتی کہ جب کم عمر طلباء کا یہ حال ہے تو ؎

یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی
(اقبالؔ)

گو ندوہ میرے لئے اجنبی نہ تھا برسوں سے اس کا تذکرہ اپنے بزرگوں سے سنتی آئی تھی مگر کوئی ذاتی تجربہ نہ تھا۔ وقت گزرتا گیا اور حالات کے پیشِ نظر یہ تمنا دل ہی میں رہ گئی کہ میں بھی اس سے سیراب ہوسکوں۔ مگر نیت میں خلوص تھا اور صدقِ دل سے نکلی ہوئی دعا بارگاہِ خداوندی میں ضرور قبول ہوتی ہے ؎

بیٹھے بیٹھے مجھے آیا ہے گناہوں کا خیال
آج شاید تری رحمت نے مجھے یاد کیا

دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ندوہ جاکر وہاں کی مشہور و معروف لائبریری میں کتابوں کا مطالعہ کروں تاکہ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر سائنس اور اس کے تجربات کو پرکھ سکوں۔ اس سلسلہ میں ایک تعارفی خط جناب افتخار قدوائی صاحب سے کتب خانے کے انچارج صاحب کے لئے لیا اور بسم اللہ کہہ کر کتب خانہ میں قدم رکھا اور تعارفی خط مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا بہت شفقت سے پیش آئے میری ہمت افزائی کی اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا جس سے احساسِ اجنبیت جاتا رہا۔ کتب خانہ میں ایک جگہ میرے لئے مخصوص کردی گئی جہاں بیٹھ کر میں نے بغور کتب خانہ کا جائزہ لیا۔ وسیع اور پرسکون ہال میں بڑے سلیقے سے کتابیں ریک میں رکھی ہوئی تھیں اور لوگ خاموشی سے مطالعہ میں مصروف تھے۔ اسی اثنا میں ایک نیک صفت مولانا نے (جن کا نام گرامی اس وقت ذہن سے اتر گیا ہے) کتابیں ڈھونڈنے میں میری مدد کی اور بہت سی کتابیں میرے موضوع سے متعلق خود مجھے لاکر دیں۔ اللہ ان کی بھی ہر ہر قدم پر مدد فرمائے۔ آمین۔

جیساکہ اوپر لکھا ہے کتب خانہ کا ماحول نہایت پرسکون پایا حتیٰ کہ طلباء کی کھسر پھسر جو کہ اکثر بڑے بڑے کتب خانوں میں سنی جاتی ہے وہ بھی سننے میں نہیں آئی۔ میں چھٹی کے دنوں میں صبح سات بجے سے ایک بجے تک کتابوں سے نوٹس لینے میں مصروف رہتی اور اس دوران وہاں موجود عملہ میں سے کوئی نیک طینت ٹھنڈے پانی کا گلاس میری میز پر رکھ دیا کرتے۔ جس طرح انھوں نے میری پیاس کا خیال رکھا اللہ انھیں حوضِ کوثر سے پینا نصیب کرے۔ آمین۔

الماریاں مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں سے بھری تھیں جو اردو، انگریزی، ہندی اور عربی زبانوں میں تھیں۔ علم دین کا تو ذکر ہی کیا سائنس کا بھی شاید ہی کوئی موضوع بچا ہو جس میں کتابیں نہ موجود ہوں۔ میں نے زیادہ تر اردو اور انگریزی کتب کا مطالعہ کیا اور ان سے نوٹس بنائے۔ عربی میں لاتعداد کتابیں تھیں جنھیں میں زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتی اور سوچتی کہ یہ زبان جس میں علم و معرفت کا سرچشمہ اتارا گیا ہے وہ میں نے کیوں نہ سیکھی۔!

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ میں حسب معمول صبح جاتی اور اوراق کی سرگردانی کرتی۔ وقت کا احساس جب ہوتا جب کھڑکیاں بند ہونے کی آواز کانوں میں آتی۔ ایک دفعہ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ میں پڑھنے میں اس قدر غرق ہوگئی کہ گھڑی کی طرف دیکھنا بھی بھول گئی۔ جب نظر اٹھی تو دیکھا کہ ایک صاحب چابیوں کا گچھا لیے بند کرنے کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

کیونکہ وقت کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ یہ شائستگی کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ورنہ اکثر اداروں کے کتب خانے وقت سے پہلے ہی بند کر دیے جاتے ہیں میں اپنے موضوع سے متعلق بہت سی کتابیں میز پر اکٹھی کر لیا کرتی تھی تاکہ بار بار کی زحمت سے بچوں مگر کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ان کتابوں کو کسی نے بغیر اجازت ہاتھ بھی لگایا ہو۔ طلباء بھی جو کتاب وہاں سے اٹھاتے ٹھیک اسی جگہ پر واپس رکھ دیتے۔

کتب خانہ میں داخل ہوتے اور سیڑھیوں سے اترتے وقت اکثر طلباء میرے چڑھنے اور اتر جانے کے انتظار میں کھڑے رہتے جب میں اتر جاتی تو وہ میرے پیچھے اترتے۔ ادب اور تہذیب کو اس حد تک ملحوظ رکھنا۔ یہ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے اور وہ بھی خصوصاً آج کل کے دور میں۔ یہ انھیں اساتذہ کی دین ہے جنھوں نے صرف درس و تدریس ہی کا کام انجام نہیں دیا بلکہ سیرت اور کردار کی بھی مکمل آبیاری کی ہے۔ میرا سر عقیدت ان کے لئے خم ہے۔ جہاں تک نظم و نسق کا تعلق ہے آتے اور جاتے کبھی بھی طلباء یا اساتذہ کے جھنڈ گپیں کرتے ہوئے نظر نہیں آئے۔ بڑے بڑے ادارے میں چلے جائیے چائے کے دور چلتے ہیں خوش گپیاں ہوتی ہیں جن کو کبھی DISCUSSION کا نام دیا جاتا ہے۔

ندوہ کی اپنی ایک الگ خصوصیت ہے۔ ایک وقار ہے۔ ہر ہر بات سے ایک شان ٹپکتی ہے کیوں نہ ہو؟ مولانا شبلی نعمانیؒ مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا سید عبدالحیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ، کا سینچا ہوا باغ ہے۔ آخر اس کی رگوں میں انھیں بلند پایہ ہستیوں ہی کا تو لہو دوڑ رہا ہے۔ جس کی جیتی جاگتی مثال مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ذات گرامی ہے۔ اس چمن سے توحید کی وہی جانی پہچانی بو آتی ہے جو اسلام کی اساس ہے۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے
(اقبالؒ)

ہر مکتبۂ فکر کے لوگ موجود ہیں مگر کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ برخلاف اس کے آج کل اداروں میں اساتذہ و طلباء کی مختلف گروہ بندیاں ہوتی ہیں جو اکثر و بیشتر اپنے ذاتی مفاد کے لئے آپس میں رسہ کشی کرتے رہتے ہیں۔ آئے دن اداروں میں ہنگامہ آرائیاں ہوتی ہیں اور اخباروں میں جلی حروف میں سرخیاں چھپا کرتی ہیں مگر ندوہ کے بارے میں جہاں تک میری معلومات ساتھ دیتی ہیں کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ سننے میں نہیں آیا کیونکہ یہاں صرف ایک ہی جماعت کام کر رہی ہے۔ خدا کی وحدانیت پر قائم رہنے والی جماعت۔ سنتِ رسول پر قائم رہنے والی جماعت۔ کیا یہ کم فخر کی بات ہے؟ اس نظم و نسق کی اور اعلیٰ قدروں کی ذمہ دار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بابرکت ذات اور بلند پایہ شخصیت ہے نیز وہ اساتذہ جنھوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے اور باہمی اتفاق کو برقرار رکھا ہے میری بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ وہ ان بلند پایہ ہستیوں کو اپنی نوازشوں اور بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ آمین۔

دورانِ مطالعہ جن اساتذہ و ذمہ داران سے میرا سابقہ پڑا میں نے انھیں انتہائی ہمدرد اور صادق القول پایا۔ ان حضرات نے اپنے قیمتی وقت میں سے جو لمحات میرے لئے نکالے اور جس طرح اپنے مفید مشوروں اور علمیت سے نوازا میرے پاس ان کے شکریہ کے لئے مناسب الفاظ نہیں ہیں۔ جن حضرات نے وقتاً فوقتاً میری اعانت فرمائی ان کے اسمائے گرامی کا ذکر میرے اوپر لازم ہے۔ مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی۔ مولانا سید سلمان ندوی، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب افتخار صاحب قدوائی۔ مولانا عبدالقادر اور مولانا سلطان صاحب کی میں از حد مشکور ہوں اللہ ان پر اپنی رحمتوں کا سایہ کرے۔ آمین۔ آج جب میں یہ سطریں لکھ رہی ہوں مجھے اس بات کی انتہائی خوشی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم، ندوہ کے ماحول اور کرم فرماؤں کی بدولت میں پچھلے ایک سال سے عربی زبان سیکھ رہی ہوں اور اب اس دور سے گذر رہی ہوں کہ کچھ کچھ سمجھنے بھی لگی ہوں جس کے لئے میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ ندوی اور مولانا عبدالقادر صاحبان کی احسان مند ہوں۔ اللہ اپنی رحمتوں کے خزانے ان پر کھولے۔ آمین۔ میں ندوہ کے فارغ التحصیل طالب علم جناب عبدالودود کی بھی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے بڑی محنت، خلوص اور ایمانداری سے اپنے فرض کو انجام دیا اور مجھے فصیح اور بلیغ زبان سکھائی۔ اللہ انھیں بھی اپنے کرم سے نوازے۔ آمین۔

یہ وہ دلی تاثرات ہیں جو میں نے ندوہ کے لیے محسوس کئے اور اس وقت الفاظ کی شکل میں ڈھل کر ان صفحات پر بکھر گئے ہیں میں پورے صدق دل سے دست بدعا ہوں کہ اللہ رب العزت یہاں کے ہر طالب علم کو دین کے افق پر اسی طرح چمکائے جس طرح آسمان میں اندھیری رات میں ستارے چمکتے ہیں۔ اور جو منصب خلافت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کرے۔ آمین۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے
(اقبالؒ)

تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم

پروفیسر وصی احمد صدیقی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے نمایاں صفات اور کمالات (۲)

حافظ ابن تیمیہ کے متعلق ان کے معاصرین اور متاخرین نے نہایت بلند کلمات کہے ہیں ان کو نادرۂ روزگار۔ سرآمد محققین۔ آخر المجتہدین اور آیۃٌ من آیاتِ اللّٰہ، شمار کیا ہے۔ ابن سیدالناس کہتے ہیں اُن کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان کا جیسا نہیں دیکھا اور نہ انھوں نے خود اپنی نظیر دیکھی۔ حافظ شمس الدین الذہبی جیسے وسیع النظر مؤرخ اور نقّاد مبصر نے یہاں تک فرمایا ہے۔ "اگر رکن و مقام ابراہیم کے درمیان مجھے قسم دیکر پوچھا جائے تو میں حلفیہ کہوں گا کہ نہ میں نے علم میں ان جیسا دیکھا نہ انھوں نے اپنا جیسا دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو جو حافظہ اور قوت استحضار عطا فرمائی تھی۔ اس کی مدد سے انھوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ علم الخلاف (اختلافاتِ ائمہ) علم کلام۔ تاریخ، سیر و آثار۔ علم رجال۔ لغت و نحو کے اس وقت تک کے ذخیرہ پر عبور حاصل کر لیا۔ جتنی کتابیں ماخذ اور مواد اس وقت موجود تھی اور جہاں تک ان کی دسترس تھی انھوں نے اس کا مطالعہ کیا اور ان کے قوی اور امانت دار حافظہ نے اس کو محفوظ کر لیا۔

جب ابن تیمیہ مصر گئے تو علامہ ابن دقیق العید سے ملاقات ہوئی۔ ان کا تاثر یہ ہے۔

"مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تمام علوم اس شخص کے آنکھوں کے سامنے ہیں جو چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ جو چاہے چھوڑ دیتا ہے۔"

علامہ تقی الدین ابن السبکی ان کے مشہور حریف ہیں لیکن بایں ہمہ حافظ ذہبی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "وہ علمی کمالات کے ایسے مرتبے پر پہنچ گئے ہیں کہ اُن تعریف مشکل ہے۔"

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو ان کی تاریخ دانی وسعت نظر اور حاضر دماغی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

ایک اسلامی ملک میں یہودیوں نے ایک قدیم دستاویز پیش کی جس میں درج تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف کر دیا تھا۔ اس دستاویز پر حضرت علیؓ حضرت سعد بن معاذؓ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کے دستخط تھے۔ جب یہ دستاویز شیخ الاسلام کے سامنے آئی تو انھوں نے اس کو جعلی قرار دیا اور ثبوت میں دس دلیلیں پیش کیں، پہلی دلیل یہ کہ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ کے دستخط ہیں۔ حالانکہ جنگ خیبر سے پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی۔ دوسرے یہ کہ جزیہ ساقط کر دیا گیا حالانکہ جزیہ کا حکم اس وقت تک آیا ہی نہ تھا۔ یہ تو خیبر کے تین سال بعد تبوک کے سال نازل ہوا ہے تیسرا یہ کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لیا جائے گا۔ حالانکہ حضور صلعم اور صحابہ کرام اس زبردستی سے پاک تھے۔ غرض اسی نمونہ کی دلیلیں تھیں جس سے اس جعل کی قلعی کھل گئی۔

شجاعت اور فکری استقلال:۔

ایک ترک امیر اور فوجی افسر نے لکھا "وہ اس بے تکلفی سے فوج میں گھس جاتے تھے جیسے ان کو موت کا کوئی ڈر نہیں"۔ وہ شجاعت بھی جو علمی معرکوں، علمی میدان اور تحقیق اور اظہار حق میں ان سے ظاہر ہوتی۔ اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ ذہبی نے لکھا ہے "وہ وہی سچی کڑوی بات کہتے رہے جو ان کے اپنے اجتہاد۔ غور و فکر۔ ذکاوت اور سنن اور اقوال پر وسیع نظر کے سبب سے سمجھ میں آئی تھی۔ کتنی بار اس کی نوبت آئی کہ سب گروہ ایک طرف تھے اور وہ تنہا ایک طرف۔ ابن تیمیہ کا اصلی امتیاز تنہا ان کا علمی تبحر نہ تھا بلکہ اُن کا ذوقِ تحقیق اور مجتہدانہ طرز تھا ابوحیان نحوی نے جب الکتاب کا حوالہ دیا تو انھوں نے اس میں ۸۰ مقامات پر غلطی کی نشاندہی کی خود حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی مایہ ناز کتاب احیاء العلوم کو یونانی الہیت سے پوری طور پر محفوظ نہ رکھ سکے مگر ابن تیمیہ نے منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت مسائل پر ناقدانہ بحث کی۔ بہت سے فقہی مسائل پر جو طے شدہ سمجھے جا رہے تھے۔ از سرِ نو غور کیا۔ ذہبی نے لکھا ہے۔ انھوں نے سنّتِ خالصہ اور طریقہ سلف کی نصرت میں ایسے دلائل مقدمات اور وجوہ قائم کیے جس میں وہ منفرد ہیں۔

اخلاص و انہماک

وہ علم دین کے لیے ہمہ تن وقف تھے۔ سوائے

درس وتدریس۔ وعظ وارشاد۔ تصنیف وتالیف اور تحقیق اور تدقیق اور کسی مشغلہ سے تعلق نہیں رکھا۔ صاحب الکواکب الدریۃ معتبر لوگوں سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انھوں نے اپنی ذات کے لیے کوئی دوسرا مشغلہ اختیار نہیں کیا۔

وہ کبھی فتویٰ دینے میں مشغول ہوتے۔ کبھی لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ دن میں بھی اور رات میں بھی برابر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور کلمۂ توحید و استغفار میں مشغول رہتے۔

ابن تیمیہ نے ۶۷ سال کی مصروف اور پر از حوادث واقعات اور تلاطم خیز زندگی میں تصنیفات تحقیقات اور علمی آثار کا ایسا ذخیرہ چھوڑا جو اہل علم کی ایک پوری جماعت کے لیے سرمایۂ فخر بن سکتا ہے وہ بجا طور پر ایک نئے عہد کے بانی اور ایک عہد آفریں شخصیت کے مالک کہے جاسکتے ہیں۔

ابن تیمیہ کی ہر تصنیف کے ناظر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف مقاصد شریعت اور روح دین کا راز دان ہے۔ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے۔ یہ کتابیں کسی الگ تھلگ جزیرے میں نہیں لکھی گئیں بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے بیچ میں لکھی گئیں۔ ان کے طریقہ تفسیر کی بھی بڑی خصوصیت ہے۔ کہ اس کا زندگی سے ربط ہے وہ آیات الٰہی کو اپنے معاصر انسانوں پر منطبق کرتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب اکثر ایک کتب خانہ کا قائم مقام بن جاتی ہے۔

انھوں نے بہت سے قدیم مواد کو محفوظ کردیا اور بہت سی آرا وافکار کو اپنی کتابوں میں نقل کرکے ضائع ہونے سے بچالیا۔ کلامی اور فقہی تصنیفات میں خشکی۔ پیچیدگی اور "متون" کی شان نہیں ہے وہ دلچسپ۔ جاندار اور پرزور ہیں۔ اُن کے قلم میں اکثر رجز کی شان پیدا ہوجاتی ہے حافظ ابو حفص کہتے ہیں ان کے کلام میں سیلاب کی سی روانی اور سمندر کی سی طغیانی ہوتی ہے اقشہری نے لکھا ہے کہ اُن کا قلم اور ان کی زبان ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں۔ اُن سے مناظرہ کرنے سے لوگ احتراز کرتے تھے۔ ان کے ایک فاضل ہم عصر اور مناظر شیخ صفی الدین الہندی نے لکھا ہے۔

ابن تیمیہ تم ایک چھوٹی چڑیا (گنجشک) کی طرح ہو جب میں اس کو ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں وہ اڑکر دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے۔

مخالفت کے اسباب:

ایسے جامع کمالات انسان کی عظمت وقبولیت پر تو سب کا اتفاق ہونا چاہیئے۔ پھر ان کے معاصرین اور بعض متاخرین نے کیوں اس شدت سے اُن کی مخالفت کی اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی وعلمی سطح سے بلند تھے۔ اس کمال کی صاحب کمال کو بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یہ معاصرین اس صاحب کمال کی تازگیِ فکر بلندیِ نظر اور قوت اجتہاد کا ساتھ نہیں دے پاتے مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اُس کے اور اس کے معاصر کے درمیان کشمکش پیدا کردیتا ہے ساتھ ہی ساتھ ابن تیمیہ اپنی شخصیت کی بلندی کی وجہ سے عوام اور خواص میں مقبول اور حکومت پر حاوی ہوتے جارہے تھے۔ ہر زمانہ کے علماء بہر حال بشر تھے۔ ان کی مخالفت کی وجہ احساس کہتری بھی ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے۔

"لیکن فہم ایں معنی بغایت دقیق است۔ جمع کہ سرمایۂ علم ایشاں شرح وقایہ وہدایہ باشد کجا ادراک ایں سر دقیق توانند کرد۔

(وہ لوگ جن کے علم کا سرمایہ شرح وقایہ اور ہدایہ ہو کہاں اس گہرے بھید کو جان سکتے ہیں) علامہ ذہبی نے لکھا ہے "بحث کے اثناء میں کبھی کبھی ان کی طبیعت میں تیزی اور غصہ پیدا ہوجاتا ہے اور اپنے مقابل اور مناظر پر ایسا وار کرتے ہیں جس سے طبیعتوں میں عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے" یہ مزاج ان کے لیے تکلیفوں کا باعث بن گیا تھا۔ مسئلہ زیارت میں جب تقی ابن الاخنائی مالکی نے ان کا رد کیا تو امام ابن تیمیہ نے لکھا کہ موصوف نہایت کم علم اور قلیل المعلومات شخص ہیں۔ ظاہر ہے یہ تبصرہ کیوں لطف دیتا اسی طرح ابو حیان مفسر جو اپنے زمانے کا امام نحو سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تعریف میں قصیدہ لکھ کر لایا۔ گفتگو میں نحو کے کسی مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ ابو حیان نے سیبویہ کا حوالہ دیا۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ اس نے الکتاب میں اسّی جگہ غلطی کی ہے جن کو تم سمجھ نہیں سکتے۔ ابو حیان کی طبیعت ایسی منغض ہوئی کہ اس نے اس قصیدہ کو اپنے دیوان سے خارج کردیا۔ اور ہمیشہ کے لیے مخالف بن گیا۔

انھوں نے عقیدہ اشعریت جو عقیدہ اہلسنت کے نام سے موسوم تھا اس سے پوری جرأت اور قوت کے ساتھ اختلاف کیا۔ انھوں نے صحابہ وتابعین اور اکابرین کے قول سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی شان لیس کمثلہ شئی کے لائق اور تشبیہ وتجسیم" نیز نفی وتعطیل سے منزہ اور پاک ہے اس فیصلہ کو ایک بدعت قرار دیا گیا۔ اور ان پر تجسیم کا الزام لگایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تاویل وتجسیم کے درمیان کا راستہ بہت نازک ہے۔ ابن تیمیہ پر تجسیم کا الزام لگنا خلاف قیاس نہیں مگر واقعہ یہ ہے وہ اس الزام سے بالکل بری ہیں مخالفت کا ایک سبب شیخ محی الدین ابن عربی سے اختلاف بھی تھا۔ جو لوگ تصوف کا مذاق رکھتے تھے وہ مسئلہ وحدت الوجود کی مخالفت کو ان کا سب سے بڑا قصور سمجھتے ہیں۔ مگر اس رائے میں ابن تیمیہ منفرد نہیں ہیں بڑے جلیل القدر عالم ان کے ہم نوا رہے

ہیں حضرت مولانا نے مجدد الف ثانی کا قول نقل کیا ہے۔

"ہمیں محمد عربی صلعم کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی وصدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے — فتوحات مدینہ نے ہم کو فتوحات مکیہ سے مستغنی کردیا ہے۔"

بعض لوگوں نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی جو عام عقیدۂ اہل سنت میں موجب کفر ہیں اور بعض ایسے اقوال بھی اُن سے منسوب کیئے گئے ہیں جن سے مقام رسالت میں سوئے ادب کا پہلو نکلتا ہے دوسرا کا برامت بھی دشمنوں کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ ایسے اقوال وعقائد کی نسبت اُن سے کی گئی جس سے وہ بالکل بری تھے۔ امام غزالی کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ معارج القدس۔ مشکوٰۃ الانوار بے اصل کتابیں ہیں جو امام غزالی کے دشمنوں نے تصنیف کرکے ان کی طرف منسوب کردی۔ امام شعرانی وغیرہ کا خیال ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں میں بھی یہ عمل ہوا ہے۔ خود امام شعرانی کے ساتھ یہی سلوک ہوا

ابن تیمیہ کے ساتھ ان کے معاصرین کا جو معاملہ رہا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے مخالفین کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہتا تھا کہ ابن تیمیہ کو جو شیخ الاسلام کہے وہ کافر ہے۔ ابن حجر مکی نے ابن تیمیہ کے خلاف بہت سخت فیصلہ دیا لیکن خود ان کے شاگرد ملا علی قاری کو اس سے اختلاف تھا وہ شرح شمائل ترمذی اور "مرقاۃ" شرح مشکوٰۃ میں لکھتے

ابن تیمیہ اور ابن قیم اہلسنت والجماعت کے اکابر اور امت محمدی کے اولیا اللہ میں تھے حضرت مولانا نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عربی مکتوب کے ایک حصہ کی نقل کی ہے جو ابن تیمیہ کے لیے بلند توصیفی کلمات پر مشتمل ہے اس کے بعد اب کسی کے قول کی گنجائش نہیں۔

پھولوں کے موسم کے نغمے بلبل ہی اچھا گاتی ہے۔

(جاری)

(بقیہ) مسلم بچوں کی تعلیم

صرف صفائی اور نظم پر توجہ ہوجائے اور اصولوں کی پابندی کی جائے تو اونچی عمارت والے ان چھپر والوں پر رشک کریں۔

اس اصلاح میں بڑی اہم بات مدرس کی اصلاح بھی ہے، پہلی بات تو مدرس طلبہ کو جس طرح کا بنانا چاہتا ہے خود اس کا نمونہ پیش کرے، سستے اور پیوند والے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں لیکن گندے اور میلے کپڑوں میں رہنا بڑا عیب ہے، بڑے بڑے بال رکھنا، پان، تمباکو، بیڑی سگریٹ کا استعمال کرنا، انگلیوں میں کئی انگوٹھیوں اور چھلوں کا پہننا نہ دینی مدرسہ کے مدرس کی صفت ہے نہ دنیاوی مدرسہ کے مدرس کی، یہ تو مدرس کی ظاہری صورت کی بات ہوئی، صلاحیت کے سلسلہ میں عرض ہے کہ مدرس جس مضمون یا کتاب کے پڑھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اسے پڑھانے کی ذمہ داری نہ دے ساتھ ہی تجربہ کاروں نے اپنے تجربات سے بچوں کی نفسیات اصول تعلیم اور تدریس کے طریقوں پر جو کچھ لکھا ہے مدرس ان کا مطالعہ ضرور کرے اور اگر مدرس کا علمی معیار کم ہو تو کسی صاحب علم سے ان مضامین کو سمجھے اور بہتر ہوگا کہ دینی مدارس کے لوگ مدرسین کے لئے اس کا اجتماعی نظم کریں جس میں ان مضامین پر دروس ہوں، اس سلسلہ میں انگریزی، ہندی اور اردو میں متعدد کتابیں مہیا ہیں لیکن میرے نزدیک دینی تعلیمی کونسل سے شائع شدہ جناب نجم الحق صاحب (ایم ایڈ علیگ) کی کتاب "اصول تعلیم" اور جناب افضل حسین ایم اے ایل ٹی کی کتاب "فن تعلیم وتربیت" (جسے مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی نے چھاپا ہے) بہت اچھی کتابیں ہیں۔

اساتذہ کی مشکلات اور ان کا حل

بعض اساتذہ کہتے ہیں کہ مجھے ملتا ہی کیا ہے کہ میں اتنی محنت کروں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رزق واسع حلال وطیب عطا فرمائے، ایسے ساتھیوں کی خدمت میں عرض ہے کہ کام میں کوتاہی یا بے سلیقہ کام کرنے سے رزق میں وسعت تو آنہیں جائے گی تو پھر آپ نے جب تدریس کا شریف پیشہ اپنایا ہے تو اسے سلیقہ اور اصول سے کیجئے ہوسکتا ہے اس کی برکت سے آپ کی روزی میں وسعت آجائے یا اسی روزی میں برکت پیدا ہو اور سکون حاصل ہوجائے ساتھ ہی منتظمین حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مدرسین کے لئے اتنا مہیا کرنے کی کوشش فرمائیں کہ ان کی ضروریات زندگی پوری ہوجایا کریں، اگر اتنا معاوضہ پیش کرنے سے قاصر ہوں تو مدرسہ کا نظام الاوقات اس طرح بنائیں کہ ضروری تعلیم بھی متاثر نہ ہو اور مدرس کا کچھ وقت بھی فارغ ہوجائے تاکہ اگر اس کے لئے ممکن ہو تو کسی اور راستہ سے کچھ کسب کرسکے یا اپنے ضروری کام خود کرکے کچھ مصارف بچالے، لیکن جتنا وقت مدرسہ لے لیا جائے اس کا استعمال صحیح ہو۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے ایجنٹ جناب عارف علی صاحب (سیتاپور) کے بھانجے محمد ریاض کا ۲۰ر مارچ ۱۹۹۵ء کو بمبئی میں انتقال ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ کیا اذان کے بعد مسجد سے نکلنا درست ہے؟
ج:۔ اذان کے بعد بغیر عذر کے مسجد سے نکلنا ممنوع اور مکروہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب تم مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔ (احمد)۔

س:۔ مہتمم مدرسہ کو ایک شخص نے صرف مسجد کے لئے ایک لاکھ روپئے نقد دیے جس کو مہتمم صاحب نے بینک میں جمع کر دیا اس رقم پر ہر سال سود ملتا ہے سود کی رقم کو مدرسہ کی مد میں خرچ کرنا کیسا ہے۔؟
ج:۔ مذکور رقم کو سود حاصل کرنے کی غرض سے بینک میں جمع کرنا ہی درست نہیں ہے اصل رقم پر جتنی زائد رقم ملی ہے واجب التصدق ہے اس کو مدرسہ کی مد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

س:۔ میت کے ناخن بڑے ہوں تو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟
ج:۔ میت کے ناخن وغیرہ کاٹنا منع ہے ہاں اگر ناخن ٹوٹا ہو لے تو جدا کر سکتے ہیں۔

س:۔ کیا قبرستان میں جوتے پہن کر جا سکتے ہیں؟
ج:۔ قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا مکروہ اور ممنوع ہے مگر جس جگہ قبر نہیں ہے وہاں جوتے پہن کر چلنا بلا کراہت جائز ہے۔

س:۔ کیا قبرستان میں مکان بنا سکتے ہیں۔
ج:۔ قبرستان میں مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے اگرچہ تدفین موقوف ہو اور قبریں بوسیدہ ہو چکی ہوں۔

س:۔ کیا سجدہ کرتے وقت بازؤوں کو پہلوؤں سے دور رکھنا چاہئے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟
ج:۔ ہاں بازوؤں کا پہلوؤں سے سجدہ کی حالت میں دور رکھنا مسنون ہے۔
حضرت عبداللہ بن بحینہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازو اپنے پہلو سے دور رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغلیں ظاہر ہو جاتیں، (بخاری، مسلم)

س:۔ کیا نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے؟
ج:۔ ہاں نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے

س:۔ کیا موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے؟
ج:۔ موت کی تمنا کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے جو اسے پہنچے، موت کی تمنا کرے۔ اگر وہ تمنا کرنے پر مجبور ہی ہو جائے تو اسے یوں دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دیدے (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ گناہ گار ہو گا تو اپنے گناہوں سے معافی مانگ لے گا۔ اور اگر نیک ہو گا تو مزید نیک اعمال کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

SMU
ہماری کوئی برانچ نہیں
بفضلہ
بہترین مٹھائیوں اور بیکری مصنوعات سے
وابستہ نام — سلیمان عثمان
چند خاص مصنوعات، افلاطون، ڈرائی فروٹ برفی، ڈرائی ڈیٹ برفی انجیر پاک، اخروٹ پاک، انڈا پاک، بادام کا زعفرانی حلوہ، بادامی حلوہ، سوہن حلوہ، بادامی سوہن حلوہ، کاجو پستل، کاجو رول، پلم کیک...
اس کے علاوہ کاجو بسکٹ اور دیگر کئی قسم کے بسکٹ، خستہ نان خطائیاں۔
شیریں رواج، شیریں مزاج
سلیمان عثمان مٹھائی والے
۳۷۵۷۹۶۶، ۳۷۵۰۰۵۹ ۳۷۱۷۸۴۲
Fax: 009122-6341635 Telex: 011-79341 BARI IN

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارھواں اجلاس

احمد آباد میں منعقد ہوگا

آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ کا بارھواں سالانہ اجلاس آئندہ ماہ اکتوبر میں ہوگا جس کی مکمل تیاری کے لیے ایک ورکنگ کمیٹی کی تشکیل دی گئی ہے۔

بورڈ کے جنرل سکریٹری جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے مندرجہ بالا اطلاع دیتے ہوئے کہا ہے کہ ۱۹۷۳ء سے مسلم معاشرہ کے مذہبی حقوق اور قانون شریعت کی حفاظت کرنے والے مسلم پرسنل لا، بورڈ کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے جس میں کسی طرح کی فرقہ واریت نہیں ہے مسلم معاشرہ کے ہر فرقہ (مسلک) کے ماننے والے بورڈ میں شامل ہیں۔

انھوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ ہندوستان کے دستور میں دفعہ ۲۹ یا ۳۰ کے تحت ملک کے ہر مذہب کو آزادانہ اختیار دیا گیا ہے لیکن دفعہ ۱۴۴ کی گنجائش سے صرف سول کوڈ (CIVIL CODE) کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے جس کے لیے مسلم رہنماؤں نے سابق وزیر اعظم جناب جواہر لال نہرو کے زمانہ میں مخالفت بھی کی تھی اور آنجہانی نے مسلمانوں کو یہ کہکر تسلی دی تھی کہ مسلم معاشرہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہے اور کوئی بھی حکومت ہی مسلم قانون (شریعت) میں تبدیلی کا سوچے گی۔
اور انھوں نے مزید یہ بھی بتایا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے شرعی قوانین میں دخل اندازی کا یا مسلمانوں کے لیے کامن سول کوڈ (COMMON CIVIL CODE) لاگو کرنے کا کوئی سوال یا اندیشہ رہتا ہی نہیں ہے۔ ۱۹۳۹ء میں انگریزی حکومت کے دور ہی میں مسلم پرسنل لا، بورڈ کو منظوری حاصل ہو چکی ہے اب اس میں ردو بدل کی کوئی قانونی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ یہ اطلاع دی تھی کہ طلاق، متبنی، وراثت جیسے سنگین حالات میں اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے مسلم پرسنل لا، میں مکمل گنجائش ہے اور وہ پورے طور پر مکمل ہے۔

طلاق، کفن دفن، ایک سے زیادہ شادی کرنے جیسے امور کے سلسلہ میں اخباروں کے غلط رویہ کی مذمت کرتے ہوئے انھوں نے بتایا تھا کہ طلاق اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے واقعات مسلم معاشرہ میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں بہت کم ہیں اس کے باوجود اخبار والے اس سلسلہ میں بغیر کسی تحقیق کے لوگوں کو غلط راہ پر لے جانے والی خبریں شائع کر کے لوگوں میں غلط فہمی پھیلاتے ہیں جو فی الواقع بہت ہی افسوس کی بات ہے، جبکہ مسلمانوں کی تدفین کے لیے مخالفت کی جاتی ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ قیمتی زمینیں قبرستان کے لیے روکی جارہی ہیں [illegible] انھوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ کروڑہا ایکڑ زمین ملک میں بیکار پڑی ہے اس کے مقابلہ میں قبرستانوں کے لیے استعمال کی جانیوالی زمینیں آج بھی محدود ہیں اور اس کی وسعت بھی نہیں ہوئی بلکہ کمی ہوتی گئی ہے اس کے باوجود ہندوستان میں یہ سوال کبھی پیچیدہ نہیں بنا ہے۔ انھوں نے مزید یہ بھی تنبیہ کی تھی کہ مسلم معاشرہ ہندوستان کے حق میں ہر معاملہ میں صلح کر سکتا ہے جانی قربانی بھی دے سکتا ہے لیکن اس کے مذہبی اصول قانون شریعت (مسلم پرسنل لا، بورڈ) اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی بھی طرح کی گستاخی برداشت نہیں کرے گا، اور اس پیغام کو ایک ایک مسلمان تک پہونچانے اور اس کی ہر حال میں حفاظت مسلم پرسنل لا، بورڈ ہی کرے گا اس بات کو جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے پر زور انداز میں کہا۔

سرزمین گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد کے مسلمان آل انڈیا مسلم پرسنل لا، بورڈ کے اجلاس کے میزبان بنیں گے اس بات کا فخر محسوس کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ اس سے پہلے مدراس، دہلی، بمبئی، حیدر آباد، کانپور اور جے پور جیسے شہروں میں منعقد ہونے والے اجلاس کو لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے شریک ہو کر کامیاب بنایا ہے۔ اسی طرح احمد آباد کا اجلاس بھی انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ملک میں ہر انقلاب کا آغاز کرنے والے شہر احمد آباد میں ہونے والا یہ اجلاس ایک تاریخی اجلاس ہوگا۔ ایسی امید انھوں نے ظاہر کی تھی۔

ورکنگ کمیٹی کے ممبران مندرجہ ذیل ہیں:
۱۔ جناب مفتی احمد صاحب کانپوری ۔ صدر

(باقی صفحہ پر)

بقیہ مطالعہ حدیث کی بنیادی باتیں

اس طریقے سے (یعنی حدیث اور اتباع سنت کی ضرورت کے انکار سے) ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائے گا؛ ے

حدیث کے حجت اور یقینی طور پر قابل اعتبار ہونے کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور سنت کے انکار کی دعوت دینے کے مختلف دوروں میں، مختلف پیمانوں پر اور مختلف مذہبی، سیاسی اور شخصی اغراض ومقاصد سے اور شریعت اسلامی کی تنفیذ اور دینی پابندی کی ذمہ داری سے فرار کی خاطر ناعاقبت اندیشانہ کوششوں کے باوجود ہمیشہ سنت کا علم بلند رہا۔ اور اس کی دعوت جاری ہی اسلامی معاشرہ کا خمیر حدیث پاک سے تیار ہوا ہے اور اس کے رگ وریشہ میں حدیث سرایت کرچکی ہے؛

اور اس طرح اس کا جزو بدن بن چکی ہے اس کو اسلامی معاشرہ کے جسم سے الگ کرنا اور محض قرآن کی بنیاد پر کوئی نیا مکمل معاشرہ قائم کرنا ممکن نہیں، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ ؛ ے (اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ وضاحت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے اس کو بیان کر دیں جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔)

حدیث نبوی کے ساتھ ہمیشہ مطالعہ، فہم وتحقیق اور اس کے مراجع وماخذ کی نشر واشاعت اور اس کے مخطوطات ونوادر کی تحقیق وطباعت وغیرہ جیسی شکلوں میں اہتمام کیا جاتا رہا۔ اور اسلامی معاشرہ کا محاسبہ وجائزہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، ونہی عن المنکر، بدعتوں اور خرافات کی تردید، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، عقائدی فکری، اور تہذیبی ارتداد اور مغربی تمدن کو اپنی تمام خرابیوں وکمزوریوں

اور اسلامی زندگی کے مخالف عادات اور قوانین کے ساتھ اختیار کر لینے پر سخت نکیر کا سلسلہ ہمیشہ جوش وخروش کے ساتھ اس بنیاد پر قائم رہا کہ سنت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل رہی اور احادیث نبویہ کو قرآن کے بعد دوسرا بنیادی ماخذ یقین کیا جاتا رہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہر دور میں حق ثابت ہوتی رہی، "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللہِ وَھُمْ کَذٰلِکَ"؛ ے میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے)۔

حدیث کی حجیت میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے اور انکار سنت کا علم بلند کرنے والے اس "چراغ مصطفوی" کو اپنی کمزور پھونکوں سے بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ"؛ ے

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(باقی آئندہ)

ے سورۃ الاحزاب آیت ۲۱

ے سورہ آل عمران آیت ۳۱

ے ملاحظہ ہو ISLAM AT THE CROSSROADS

ے "اسلام دوراہے پر"۔

ے "اسلام دوراہے پر" ے تفصیل کے لئے کتاب السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی کا دوسرا باب ملاحظہ ہو جو مختلف ادوار میں سنت کے بارے میں کیے جانے والے شبہات کے بیان میں ہے ص ۱۲۳-۱۵۳

ے سورۃ النحل ۴۴

ے "عن ثوبان ومعاویۃ رضی اللہ عنہما" علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے متعدد اسانید وشواہد ہیں۔ ے الصف - ۸

اعلان مفقود الخبر

مقدمہ نمبر ۳۴/۲۴۵

خورشید فاطمہ بنت حشمت علی مقام بردلیا، ڈاکخانہ ڈالی گنج ضلع لکھنؤ — مدعیہ

بنام

محمد شمیم ولد حاجی محمد لیٰسین، مقام علیپے ٹو گومتی نگر، ضلع لکھنؤ۔ مدعی علیہ۔

اطلاع بنام مدعی علیہ

مقدمہ ہذا میں مدعیہ مذکورہ نے آپ کے خلاف عدالت ہذا میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا نکاح مدعی علیہ سے دو تین سال قبل ہوا۔ میرے شوہر کا ذہنی توازن درست نہیں تھا۔ دھوکہ سے شادی ہوئی۔ جب مجھے علم ہوگیا تو میں اپنے میکہ واپس آگئی۔ تقریباً آٹھ ماہ سے اپنے میکہ میں ہوں میرا ان کے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا میرا نکاح شریعت کی رو سے فسخ کرکے اس قید سے چھٹکارا دلایا جائے۔ سات ماہ سے مدعی علیہ لاپتہ بھی ہے۔

لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ آپ مدعی علیہ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مورخہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۹۵ء تک مرکزی دارالقضاء ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بوقت ۳ بجے دن مع گواہان وثبوت حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ بصورت عدم پیروی مزید مہلت دیئے بغیر یکطرفہ طور پر مقدمہ فیصل کیا جاسکتا ہے۔

قاضی شریعت

مرکزی دارالقضاء، اترپردیش ندوۃ العلماء لکھنؤ

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی حالیہ رپورٹ میں بتایا ہے کہ امریکہ میں زندگی کے مختلف شعبوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہورہی ہیں خلاً اجرتوں کی شرح غیر مساویانہ ہے، جیلوں میں قیدیوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا، اسی طرح بچوں کی فلاح وبہبود پر خصوصی توجہ نہیں دی جارہی ہے۔ امریکہ عالمی سطح پر انسانی حقوق کے بارے میں زیادہ شور مچاتا ہے جب کہ اس پروپیگنڈے میں اس کا اپنا تجارتی اور معاشی مفاد وابستہ رہتا ہے لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ دوسرے ملکوں کو مشورہ دینے کے ساتھ اپنے یہاں بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لئے اقدامات کرے۔

● برطانیہ کی لیبر پارٹی کے اہم سیاست داں جان ٹرمسلاٹ نے اسلام قبول کرکے اپنا اسلامی نام احمد علی رکھا ہے، احمد علی ان دنوں قرآن کا مطالعہ کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مذہب ان کا ذاتی معاملہ ہے اور اس کا ان کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے سیاست دانوں کی موجودگی میں اعتراف کیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد وہ ذہنی اور روحانی سکون محسوس کر رہے ہیں۔

● سویڈن یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے مگر عالمی سیاست میں بہت سرگرم رہتا ہے اس کے دارالحکومت اسٹاک ہوم میں جون کے وسط تک ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہونے والی ہے جسے اسلامی پہل کا نام دیا گیا ہے اس کا مقصد اسلام اور عیسائی دنیا کے درمیان بڑھتی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور ایک دوسرے کو سمجھنا ہے یہ کانفرنس سویڈن کی وزارت خارجہ کر رہی ہے کانفرنس میں تیس مسلم اور غیر مسلم ملکوں کے ۸۸ دانشور حصہ لیں گے۔

● روم جو عیسائیت کے قلب کی حیثیت رکھتا ہے وہاں مسلمانوں کی سب سے بڑی مسجد بن کر تیار ہوگئی ہے اس مسجد میں تقریباً ۲ ہزار افراد نماز پڑھ سکتے ہیں، مسجد کے گنبد کی اونچائی مسجد کے فرش سے ۲۲ میٹر اونچی ہے اور میناروں کی اونچائی ۴۰ میٹر ہے، یہ مسجد یورپ میں سب مساجد سے بڑی ہے اور اس کو روم کا سب سے اہم تعمیراتی پروجیکٹ شمار کیا جاتا ہے مسجد کے منتظمین سعودی عرب کے شاہ فہد کے اٹلی کے سرکاری دورے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ باقاعدہ اس کا افتتاح ہو سکے لوگوں کا خیال ہے یہ مسجد وہاں کے مسلم فرقے کے لئے اہم کردار ادا کرے گی۔

● لیبیا کی حکومت نے اقوام متحدہ کی ہدایت نہ ماننے کا فیصلہ کیا ہے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ انجمن اقوام متحدہ کی رکنیت ختم کرنے پر غور کر رہی ہے لیبیا کے صدر معمر قذافی نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اقوام متحدہ فرانس برطانیہ اور امریکہ کی انجمن بن کر رہ گئی ہے وہ اپنی مرضی کے مطابق اسے استعمال کر رہے ہیں، صدر نے تیسری دنیا کے ملکوں سے اپنی علاحدہ تنظیم بنانے کی اپیل بھی کی ہے

● فلسطینی حجاج کا پہلا قافلہ بس کے ذریعہ سعودی عرب پہونچا یہ حجاج پہلی بار فلسطینی پاسپورٹ پر فریضۂ حج ادا کرنے جارہے ہیں تقریباً ۴ ہزار فلسطینی مسلمان اس سال حج کریں گے، اس سے قبل فلسطینی مصر یا اردن کے پاسپورٹ پر سعودی عرب آیا کرتے تھے۔

اطلاع برائے داخلہ

جامعۃ المومنات الاسلامیہ میں نیا تعلیمی سال یکم جولائی ۱۹۹۵ء سے جامعۃ المومنات کمپلکس اودھ انکلیو (دوبگا) ہردوئی روڈ پر شروع ہو رہا ہے۔ شائقین علم ودین سے درخواست ہے کہ داخلے کے لئے درخواست ۱۵ر جون ۱۹۹۵ء تک دے دیں، بصورت دیگر ان کی درخواست پر غور نہیں کیا جائے گا، نیز جب تک داخلے کی منظوری نہ مل جائے طالبات کو نہ بھیجیں۔ درخواست میں مستطیع اور غیر مستطیع کی وضاحت ضرور کریں۔ جامعہ میں عالمیت کے سال اول، دوم اور سوم میں داخلے لیے جائیں گے۔ الحمد للہ جامعہ کے دارالاقامہ میں قیام وطعام، نگرانی اور دیکھ بھال کا معقول انتظام ہے۔ نیز ہندی انگلش میڈیم سے ہائی اسکول پاس طالبات کے لئے دینیات اور اردو سکھانے کا بھی نظم ہے۔

داخلہ فارم جامعہ کے ہیڈ آفس گوئن روڈ کے علاوہ مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مکتبہ اسلام گوئن روڈ سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سیدہ رضوان ندوی
ناظمہ
جامعۃ المومنات الاسلامیہ لکھنؤ

فون: 77292

لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

ظلم اپنا مزہ چکھا کے رہتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ظلم کرنے کو حرام قرار دیا ہے، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ حکومت شرک کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔ ظلم کا نتیجہ ضرور نکلے گا، وہ سلطنتیں جن کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا، مشرق سے مغرب تک جن کا طوطی بولتا تھا، ان کا چراغ گل ہوگیا، اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ ظلم چاہے آدمی کرے یا سلطنت کرے، ظلم میں یہ خاصیت ہے کہ وہ جلا کر راکھ کردے گی، وہ ظالم کو پچھاڑ دے گی، ہم لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ سیاسی چالاکی، مکر و فریب، جوڑ توڑ، دغابازی اور عیّاری سے لوگ اقتدار حاصل کر لیتے ہیں، قرآن مجید صاف صاف کہتا ہے۔ "وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ" اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ عزت و دولت میں دیتا ہوں لیکن اس سے دل نہ لگانا، تمام پیغمبروں نے اعمال کی خاصیت اور نتیجہ کو بیان کیا ہے، حدیث میں آتا ہے "الصدق ینجی و الکذب یهلك" سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہم آپ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی سچا ہے لیکن ترقی سے محروم اور فلاں آدمی جھوٹا ہے، مکّار ہے اور اسے ترقی ہو رہی ہے اور اس کا اقبال ہے، لیکن یہ سب ہماری نظر کا فتور ہے، ہماری ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ماخوذ از:۔ تحفۂ انسانیت

فی شمارہ ۵ روپے R.5/

Guest House : 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف
صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات، عمدہ و اعلیٰ
قسم کے روغنیات و عرق
کیوڑہ، عرق گلاب
و دیگر عطریات کی ــــ
ایک قابل اعتماد دکان۔ ایک مرتبہ
تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
IZHAR AHMAD & SONS
PERFUMERS
TRADE MARK
CHOWK - LUCKNOW
فون:۔ 268898
خط و کتابت کا پتہ
اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس، چوک لکھنؤ

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کیلئے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبد الرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر ۲۶۷۹۱۰ ــــ 267910

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا
لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر
کیپ سول پر مارکہ ضرور دیکھیں، انڈین کمپنی کی کہیں کوئی
برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں مئو کا بنا اصلی نورانی تیل مئو کا
پتہ دیکھ کر خریدیں۔
INDIAN CHEMICAL MAU.N.B. 275101

چشمہ گھر
جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے
Auto Refrecto Meter AR-860
چشمہ سے متعلق تمام چیزیں دستیاب ہیں
ایک بار خدمت کا موقع دیں
اے۔ رحمٰن (علیگ)
چشمہ گھر، محلہ مہاجنی ٹولہ پوسٹ سرائے میر
ضلع اعظم گڈھ ۲۷۶۳۰۵ فون:۔ 76482

Printed by : Azad Printing Press, Ph : 234685, 24805